اسلام میں سب سے خطرناک فرقہ اور بدعتی گروہ پر ایک مستند تحریر

خوارج

اور ان کے اوصاف

تألیف:
ڈاکٹر محمد غیث غیث

ترجمہ:
عقیل أحمد بن حبیب اللہ

صوبائی جمعیت اہلِ حدیث ممبئی

نام کتاب : خوارج اور ان کے اوصاف

تالیف : ڈاکٹر محمد غیث غیث

سنہ اشاعت : 1438ھ-2017م

تعداد : تین ہزار

ایڈیشن : پہلا

صفحات : 112

قیمت : برائے مفت تقسیم

ناشر : صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

ملنے کے پتے:

- دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی: 14-15، چوناوالا کمپاؤنڈ، مقابل کرلا بس ڈپو، ایل بی ایس مارگ، کرلا (ویسٹ) ممبئی-400070، ٹیلیفون:022-26520077
- جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ، بھیونڈی:225071/226526
- مرکز الدعوۃ الاسلامیہ والخیریہ، بیت السلام کمپلیکس، نزد المدینۃ انگلش اسکول، مہاڈ ناکہ، کھیڈ، ضلع، رتنا گری:415709، فون:02356-264455
- شعبہ دعوت و تبلیغ، جماعت المسلمین مسد، رائے گڈھ

پیش لفظ

الحمدلله رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آله وصحبه أجمعین، ومن تبعهم بإحسان إلی یوم الدین، وبعد:

ہر دور کے اسلامی معاشرہ کی ایک بنیادی ضرورت یہ ہوتی ہے کہ اس کے خواص وقائدین وقت کے شرور وفتن کو پہچانیں اور عامۃ الناس کو آگاہ کریں تاکہ سب مل کر اجتماعی صلاحیتوں کے ساتھ ان سے بچاؤ کی بروقت صحیح تدبیر واقدام کر سکیں۔

فتنے کسی نوعیت کے ہوں، عقیدے وعبادات سے متعلق ہوں، اخلاق ومعاملات کے باب کے ہوں، معاشرت یا سیاست کے میدان کے ہوں، انفرادی ہوں خواہ اجتماعی ہوں، اندرونی ہوں، بیرونی ہوں، وہ شیطانی ہوں یا انسانی ہوں یہ ہر سماج کا ایک حصہ ہوتے ہیں، یعنی کم وبیش ہر سماج ومعاشرہ میں ان کا وجود ہوتا ہے، اس لئے ان سے آگاہی اور تنبیہ وقت کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔

دیکھئے عہد رسالت ﷺ میں کس طرح فتنوں کا وجود تھا، خارجی فتنوں کا تو یلغار تھا ہی، داخلی فتنے کس طرح نفاق اور خروج کے روپ میں ہر سطح پر مشکلات وخطرات پیدا کر رہے تھے، دنیا جانتی ہے داخلی فتنے خارجی فتنوں سے زیادہ مضر ہوتے ہیں، تاریخ اسلام کے ہر دور میں دشمنان دین کے ایک خاص طبقہ نے مسلمانوں کے بھیس میں آکر بے پناہ نقصان اور تباہی پھیلائی ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، آج بھی وہ سلسلہ جاری ہے۔ الامان والحفیظ۔

آپ ﷺ نے جہاں امت کے اندر پیدا ہونے والی فرقہ بندی، نبوت کے جھوٹے دعویدار، مسیح دجال اور بہت سے چھوٹے بڑے فتنوں کی خبر دی وہیں آپ نے اپنے عہد کے بہت بڑے فتنے فتنۂ خوارج سے خصوصیت کے ساتھ آگاہ فرمایا، ان کی سنگینی وخطرات سے باخبر کیا، تفصیل کے ساتھ ان کی نشانیاں بتائیں، تاریخ کے ہر دور میں ان خوارج کے وجود کی بھی خبر دی، آپ کے بعد سلف صالحین کا بھی یہی طریقہ رہا، خوارج سے آگاہ کرتے ان کی نشانیاں واوصاف بتاتے، ان سے متنبہ کرتے، خارجی عمل سے پرہیز کی تلقین کرتے۔

خوارج کے نت نئے طریقوں اور منصوبوں کی بنا پر ان کے نئے نئے نام اور القاب بھی سامنے آتے رہتے ہیں، یا تو عوام الناس ان کو یہ نئے نام والقاب دیتے ہیں، یا وہ خود اپنے اوپر ان کا اطلاق کرتے ہیں، اس سے

ان کا مقصد لوگوں سے اپنی حقیقت چھپانا، ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنا، اور اپنے گھناؤنے افعال کو خوبصورت بنا کر پیش کرنا ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''اسلام میں جو بدعت سب سے پہلے پیدا ہوئی وہ خوارج کی بدعت ہے''یہی اسلام میں سب سے پہلا اور سب سے خطرناک فرقہ ہے، اس لئے ہر فرد کو اس سے خبر دار رہنا اور بچنا ضروری ہے۔

امت میں اردو داں طبقہ کو خوارج کے فتنوں سے خبر دار کرنے اور ان کے اثرات سے بچانے کے لئے عالم اسلام کے مشہور عالم اور سلفیت کے غیور داعی شیخ ظفر الحسن مدنی حفظہ اللہ کے ساتھ ذمہ داران صوبائی جمعیت کی گفتگو ہوئی، انھوں نے اس فتنے کو تفصیل سے سمجھنے کے لئے عالم اسلام کی ایک معتبر اور مستند علمی شخصیت اور متحدہ عرب امارات میں سلفیت کے علمبردار ڈاکٹر محمد غیث غیث حفظہ اللہ کے ایک اہم رسالہ ''خوارج اور ان کے اوصاف'' کی نشاندہی فرمائی، جو اس موضوع پر ایک مستند جامع اور بے نظیر تحریر ہے، فجزاھم اللہ خیرا وبارک فیھم۔

رسالہ کا ترجمہ ایک تجر کار سلفی فاضل شیخ عقیل احمد بن حبیب اللہ حفظہ اللہ نے کیا ہے، جو نہایت سہل اور فصیح ہے، مترجم کو اللہ تعالی جزائے خیر دے اور مزید ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔

وقت کے تقاضے کو سامنے رکھتے ہوئے صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے شعبہ نشر واشاعت سے اس کتاب کی اشاعت کی جارہی ہے، اردو زبان میں اس موضوع پر میرے علم کی حد تک ایک جامع کتاب ثابت ہوگی، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ رب العالمین اس کتاب کے مؤلف مترجم، ناشر اور تمام معاونین کو جزائے خیر دے اور امت کے ہر طبقہ کے لئے اسے مفید اور مقبول بنائے آمین۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وبارک وسلم

عبدالسلام سلفی

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

1438/8/17ھ

2017/5/14م

مقدمہ

الحمد لله الذي يمن على من يشاء بهدايته، ويصطفي من يختاره بقدرته، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له في أسمائه وألوهيته، وأشهد أن محمدا عبد الله ومجتباه برسالته، صلى الله عليه وعلى آله وأزواجه وصحابته، أما بعد:

سب سے بڑی مصیبت وپریشانی جس کا سامنا اسلامی معاشرے ماضی قریب اور موجودہ زمانوں میں کر رہے ہیں، وہ ہے فکری انحراف کے شکار مذاہب کا پھیلنا، انتہا پسندانہ خارجی شکوک وشبہات کا فروغ پانا، جھوٹے نعروں کے ذریعہ فتنوں کو مزین کرکے پیش کرنا اور اہل علم سے نوجوانوں کا دور رہنا، اس سلسلے میں گمراہ کن مناہج سے وابستہ لوگوں کی اثر اندازی کے اپنے حیلے اور اسلوب وطریقے ہیں، ان کے ذریعہ وہ علماء کا مقام ومرتبہ گراتے ہیں، اور سادہ لوح، ناتجربہ کار اور بے وقوف لوگوں کے جوش وخروش کو بھڑکاتے ہیں، ان کو قدم بقدم فتنوں کی جانب کھینچتے ہیں، انہیں پر اسراریت اور حزبیت کی سیڑھیوں پر چڑھاتے ہیں، اور اندھی بیعت لے کر ان کو اندھا بنادیتے ہیں، جب کہ یہ خود سنت سے اور اس کو اصل وماخذ بنانے سے بہت دور رہتے ہیں اور شبہات اور ان کی تلبیس میں گردش کرتے ہیں، تاکہ پیروکار خواہشات اور تمناؤں میں مست رہے، اور بلا تکلف وتردد تکفیر کی چھاتی سے شیر خواری کرے، اور پھر اپنے اور اپنی حزب کے علاوہ کسی کو مسلمان نہ گردانے، اسے یہ ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ وہ اطاعت وڈسپلن کے دائرے سے آزاد ہوجائے گا، اور جوش وخروش کے مظاہرہ کی بدولت وہ بہادر قرار پائے گا، اور پھر ایسا شخص حاکم وقت کی خلاف ورزی شروع کرتا ہے، اور عوام میں اس کی سیرت وکردار کی غلط تصویر کشی کرتا ہے، ان سب چیزوں سے پہلے بھی ان کے یہاں کچھ امور وتدابیر ہوتی ہیں، ان سے وابستہ ہونے والے غافل ہوتے ہیں، اور ان میں حسن ظن رکھتے ہیں، حالانکہ واجب تو یہ ہے کہ شر کو اس کے شروع ہی سے اکھاڑ پھینکا جائے، کیونکہ شر اور شر پھیلانے والوں کے ساتھ کسی طرح کی کوتاہی اور نرمی نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ یہاں کوتاہی کرنے اور نرمی برتنے کا مطلب ہے، خوں ریزی کو روکنے میں کوتاہی کرنا، اور فتنوں اور آفت وبلا کو کھینچ کر لانا، جب کہ واجب یہ ہے کہ حکام کی طاقت وقوت اور عزم کے ذریعہ شر وفتنہ کی جڑوں کو اکھاڑ دیا جائے، اور علم وسنت کی نشر واشاعت کرکے، اور شکوک وشبہات کو

دور کر کے معاشروں کو محفوظ بنادیا جائے، بصورت دیگر اس کا علاج درختوں کی شاخوں کو کاٹنے کی طرح ہوگا، کہ صرف شاخوں کو کاٹنے سے درخت کا تنا مضبوط ہوتا ہے، اور نئے نئے پتے نکل آتے ہیں۔

انحراف کے شکار مذاہب میں سب سے زیادہ خطرناک خوارج کے تکفیری مذاہب ہیں، یہ امت کی خارش اور ہر فتنے کی جڑ ہیں، جب خوارج کے فتنے کی علامات ظاہر ہوئیں تو سلف صالحین اور ائمہ کرام نے علم وسنت کو نشر کیا، اور امت کو اس سے متنبہ کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج سے قتال کرنے کا حکم دیا تھا، اور ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی دھمکی دی تھی، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ خوارج کے شر سے لوگوں کو متنبہ کرنا اور ان کے عیوب بیان کرنا واجب اور اولی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب امت میں خوارج کا معاملہ منظر عام پر آیا تو صحابہ کرام نے ان کے سلسلے میں کلام کیا، ان کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کیں، اور قرآن میں ان پر جو رد کیا گیا تھا، اس کو بیان کیا، اور اس طرح عوام الناس کے سامنے ان کی بدعت واضح ہوگئی (اور لوگوں نے ان کو پہچان لیا)۔[1]

سلف صالحین خوارج کے متعلق ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہتے تھے، اور ان سے ایک دوسرے کو متنبہ کرتے تھے۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے رخصت ہونے کے وقت امام اوزاعی رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ مجھے کچھ نصیحت کردیں، تو انہوں نے فرمایا: اگر آپ طلب نہیں کرتے تب بھی میرا ارادہ تھا کہ میں نصیحت کروں گا، کیونکہ آپ نے میرے پاس ایک ایسے آدمی کی بہت زیادہ تعریف وتوصیف کی تھی، جو امت کے خلاف تلوار اٹھانے کو صحیح سمجھتا ہے، میں نے کہا، پھر آپ نے اس وقت مجھے نصیحت کیوں نہیں کی؟ انہوں نے کہا، میرا ارادہ تھا کہ میں نصیحت کروں گا[2]۔

یہ رسالہ اس مسئلہ میں میری طرف سے مشارکت ہے، اس شر سے لوگوں کے لیے تنبیہ ونصیحت ہے، اور علماء اور سلف کے آثار کی اشاعت اور ان کی طرف لوگوں کی رہنمائی ہے۔

---

[1] مجموع الفتاوی (483/7)

[2] السنۃ لعبداللہ بن أحمد ح(250).

خوارج کون ہیں؟

خارجی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سنت اور جماعت سے خروج کیا، اور مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ دینے کے سبب دین سے نکل گئے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انہیں خارجی اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ وہ امام برحق کی اطاعت سے نکل گئے تھے، اور شرائع اسلام کی پابندی سے آزاد ہوگئے تھے[1]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خوارج، خارجہ کی جمع ہے، جس کے معنی جماعت ہیں، یہ بدعتی لوگ ہیں، ان کو خوارج اس لیے کہا گیا، کیونکہ وہ دین سے نکل گئے تھے، اور امت اسلامیہ کے بہترین لوگوں کے خلاف انہوں نے خروج وبغاوت کی تھی[2]۔

علامہ شہرستانی فرماتے ہیں: جس امام (حاکم) برحق پر پوری جماعت متفق ہو، اس کے خلاف جو خروج وبغاوت کرے گا، اسے خارجی کہا جائے گا، خواہ یہ بغاوت و خروج صحابہ کرام کے زمانے میں، ائمہ راشدین کے خلاف ہو، یا ان کے بعد تابعین اور ہر زمانے کے مسلم حکمرانوں کے خلاف ہو[3]۔

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خوارج وہ لوگ ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کی تاویل کرکے مسلمانوں کے خون کو حلال کیا، انہیں گناہوں کے سبب کافر قرار دیا، ان کے خلاف تلوار اٹھائی، اور ان کی جماعت کی مخالفت کرکے حائضہ عورت پر نماز کو واجب قرار دیا، ان کے نزدیک شادی شدہ زانی پر رجم نہیں ہے، بلکہ اسے حد کے طور پر سو کوڑے مارے جائیں گے، ان کے خیال میں صرف بہنے والا پانی یا بہت زیادہ اکٹھا پانی ہی انہیں پاک کرے گا، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں ہیں، جن میں انہوں نے مسلمانوں کی جماعت کی مخالفت کی ہے۔ اس طرح دین میں انہوں نے نئی نئی چیزیں پیدا کرکے دین سے اس طرح نکل گئے جیسے تیر شکار کے پار نکل جاتا ہے[4]۔

---

[1] تفسير ابن كثير (209/1).

[2] فتح الباري (283/12).

[3] الملل والنحل (114/1).

[4] الاستذكار (499/2).

خوارج سب سے پہلا فرقہ ہے، جس نے اپنے باطل عقائد، فاسد مناہج اور ظلم وجور کی تلوار کے ذریعہ مسلمانوں کی جماعت کے خلاف خروج وبغاوت کی۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسلام کے اندر سب سے پہلی جو بدعت پیدا ہوئی، وہ خوارج کی بدعت ہے[1]۔

آپ مزید فرماتے ہیں: اہل بدعت میں سے سب سے پہلے جو لوگ مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہوئے، وہ خوارج تھے[2]۔

خوارج مسلمانوں کے لیے ہر چیز سے زیادہ مضر اور نقصان دہ ہیں، وہ اس امت اسلامیہ کے لیے ہر زمانے میں مصیبت وبلا اور کانٹا رہے ہیں، ان کی مذمت، ان سے متنبہ کرنے اور ان کو قتل کرنے کے حکم کے سلسلے میں تواتر سے احادیث آئی ہیں، بلکہ ان سے زیادہ برا اور شر والا اور کوئی نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «شَرُّ قَتْلَى تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ»[3]۔ یہ آسمان کے نیچے بدترین مقتول ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یعنی یہ مسلمانوں کے لیے غیر مسلموں سے بھی زیادہ برے ہیں، کیونکہ مسلمانوں کے حق میں ان سے برا کوئی نہیں تھا، نہ یہود اور نہ نصاری، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ ہر اس مسلمان کے قتل کی کوشش کرتے تھے، جو ان کے عقائد وآراء سے متفق نہیں ہوتا، یہ مسلمانوں کی جان ومال اور ان کے بچوں کے قتل کو حلال سمجھتے تھے، ان کی تکفیر کرتے تھے، اور اپنی جہالت اور گمراہ کن بدعت کی بنا پر یہ سب کچھ دین سمجھ کر کرتے تھے[4]۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امت محمدیہ کے بدعتی فرقوں اور جماعتوں میں خوارج کی جماعت سب سے بُری ہے[5]۔

---

[1] الفتاوى (279/3).

[2] الفتاوى (349/3).

[3] اس کو احمد (22208) اور ترمذی (3000) نے روایت کیا ہے۔

[4] منهاج السنة (248/5).

[5] فتح الباري (302/12).

خوارج کے فرقے، القاب اور نام

خارجیوں کے بہت سے فرقے اور جماعتیں ہیں، لیکن یہ سب خروج وبغاوت اور مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ کر الگ رہنے پر متفق ہیں، ان کا سب سے مشہور نام خوارج ہے، ان کو حروریہ بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ ابتدائے امر میں کوفہ کے قریب "حروراء" نامی جگہ سے یہ لوگ نکلے تھے۔

ان کا ایک نام مارقہ بھی ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا "يَمْرُقُونَ من الدِّين"[1]۔ وہ دین سے نکل جائیں گے۔

ایک نام مکفّرہ بھی ہے (یعنی تکفیر کرنے والے) کیونکہ یہ اپنے مخالفین کو کافر قرار دیتے ہیں، اور اسی طرح گناہ کرنے والوں کو بھی یہ کافر کہتے ہیں۔

ان کا ایک نام شُراۃ بھی ہے (یعنی خریدنے والے) کیونکہ ان کا گمان تھا کہ انہوں نے اپنی جانوں کو اللہ سے خرید لیا ہے، اور اسے جنت کے بدلے بیچ دیا ہے۔

پہلے کے خارجیوں میں سب سے سخت قسم کے ازارقہ تھے، جو نافع بن الأزرق الحنفی کے متبعین تھے، خوارج کے فرقوں میں سے کوئی فرقہ ازارقہ سے زیادہ طاقتور اور ان سے زیادہ تعداد والا نہیں تھا، یہ لوگ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں نافع کے ساتھ بصرہ سے نکل کر اہواز کی جانب گئے، اور اہواز، اس کے آس پاس کے علاقوں، اور اس کے ماوراء فارس اور کرمان کے شہروں پر قبضہ کر لیا، اور ان علاقوں میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے گورنروں کو قتل کر دیا۔

یہ ازارقہ خوارج کے تمام فرقوں میں سے سب سے زیادہ انتہا پسند تھے، ان کے کچھ منفرد اعتقادات تھے، جن کی وجہ سے وہ خوارج کے دیگر فرقوں سے الگ ہو گئے، ان کے بعض اعتقاد یہ تھے:

- انہوں نے شادی شدہ زانی پر رجم کے شرعی حکم کو باطل قرار دیا۔
- جو شخص شادی شدہ مرد پر زنا کی تہمت لگائے، اس پر حد قذف نہیں ہے۔
- جو شادی شدہ عورت پر زنا کی تہمت لگائے، اس پر حد قذف لگائی جائے گی۔

---

[1] اس کو بخاری (4094) نے روایت کیا ہے۔

- انہوں نے چور کا ہاتھ کندھے کے پاس سے کاٹا، اور اس سزا کو انہوں نے ہر قسم کی چوری پر واجب کیا، خواہ چوری کیا ہوا مال کتنا ہی کم ہو۔
- انہوں نے حائضہ عورت پر حالت حیض میں نماز اور روزہ واجب قرار دیا۔
- انہوں نے ان تمام عورتوں اور بچوں کے خون کو مباح قرار دیا، جو ان کے خیمے (ان کی جماعت) کے نہیں تھے۔
- جو لوگ ان کے پاس ہجرت کر کے آتے تھے، ان کے سلسلے میں ان کا یہ معمول اور طریقہ تھا کہ ان میں سے ہر ایک کا امتحان لیتے تھے، امتحان کی صورت یہ ہوتی تھی کہ اپنے مخالفین کے قیدیوں میں سے ایک قیدی اس کے حوالے کر کے حکم دیتے تھے کہ اسے قتل کرو، اگر وہ اس قیدی کو قتل کر دیتا، تو اس کو جماعت کی رکنیت کا پروانہ دیدیتے، ورنہ اسے قتل کر دیتے۔
- ان کا گمان تھا کہ ان کے مخالفین کے بچے مشرک ہیں، اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔
- انہوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھے کہ ان کے مخالفین کے علاقے دیار کفر ہیں، اور ان کی امانتوں کو واپس کرنا واجب نہیں ہے۔
- وہ یہود و نصاری اور مجوسی کے قتل کو حرام قرار دیتے ہیں۔
- ان کا کہنا ہے کہ جس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا وہ کافر ہے، اس کے سبب وہ اسلام سے مکمل طور پر خارج ہو گیا، اور دوسری ملتوں کے کفار کے ساتھ وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔
- تحکیم کے معاملے میں وہ علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیتے ہیں، اور دونوں حکم ابو موسی اشعری اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو، اور اسی کے ساتھ عثمان، طلحہ، زبیر، عائشہ، اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم، اور ان کے ساتھ تمام مسلمانوں کو بھی کافر کہتے ہیں، اور یہ کہ وہ سب ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔
- ان کے موافقین اور متبعین میں سے جو شخص ہجرت کر کے ان کے علاقے میں نہیں آیا، اسے یہ مشرک گردانتے ہیں، خواہ وہ ان کے مذہب اور عقیدے میں ان کے موافق ہی کیوں نہ ہو۔

ان سب کے علاوہ بھی ان کی بدعتیں اور ہلاکت خیز وتباہ کن گمراہیاں ہیں [1]۔

خوارج کے نت نئے طریقوں اور منصوبوں کی بنا پر ان کے نئے نئے نام اور القاب بھی سامنے آتے رہتے ہیں، یا تو عوام الناس ان کو یہ نئے نام والقاب دیتے ہیں، یا وہ خود اپنے اوپر ان کا اطلاق کرتے ہیں، اس سے ان کا مقصد لوگوں سے اپنی حقیقت چھپانا، ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنا، اور اپنے گھناونے افعال کو خوبصورت بنا کر پیش کرنا ہوتا ہے، جیسے ہمارے موجودہ زمانے میں ان خوارج کو تنظیم القاعدۃ، الدولۃ الإسلامیۃ في العراق والشام "داعش" (عراق وشام میں اسلامی حکومت) اور الجبہۃ الإسلامیۃ (اسلامی محاذ) وغیرہ جیسے نام سے جانا جاتا ہے۔

خوارج کے فرقوں میں سب سے زیادہ خبیث فرقہ "القعدیۃ" ہے، یہ لوگ زبان کے ذریعہ حاکم کے خلاف خروج وبغاوت کرتے ہیں، اور تلوار کے ذریعہ بغاوت کو پوشیدہ رکھتے ہیں، علانیہ اس کا اظہار نہیں کرتے ہیں، بلکہ حاکم کے عیوب ونقائص ذکر کرکے اور ان کی اچھی سیرت وکردار کی غلط تصویر کشی کرکے عوام کو ان کے خلاف ورغلاتے ہیں، اور حکومت وریاست میں ان سے مزاحمت کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خوارج کے القعدیہ فرقہ کے لوگ (حکام کے خلاف) جنگ کرنے کے قائل نہیں، بلکہ وہ لوگ ظالم حکمرانوں کے ظلم وستم پر حسب استطاعت ان کی نکیر کرتے ہیں، اور لوگوں کو اپنے اس قول اور رائے کو اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہیں، اس کے باوجود یہ لوگ خروج وبغاوت کو مزین کرکے اور خوشنما بنا کر پیش کرتے ہیں [2]۔

آپ مزید فرماتے ہیں: القعدیہ وہ لوگ ہیں، جو حکام کے خلاف بغاوت کو خوشنما بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، وہ خود اس کام کو براہ راست نہیں کرتے ہیں (گویا پردے کے پیچھے سے بغاوت کرتے ہیں) [3]۔

---

[1] ملاحظہ ہو: تاریخ الطبري (5/28, 566, 568,613,614)، ومقالات الإسلاميين (1/157, 162)، والفصل في الملل والأهواء والنحل (5/25, 53).

[2] تهذيب التهذيب (129/8)

[3] فتح الباري (459/1).

یعنی القعدیہ اپنے ولاۃ وحکام کے عیوب ونقائص ذکر کر کے ان کے خلاف عام لوگوں کے دلوں میں کینہ وعداوت کا بیج بوتے ہیں، حکام پر طعن وتشنیع کے لیے عوام کو ابھارتے ہیں، اور ان کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے ہیں، اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ہم یہ سب دین کے لیے غیرت کی بنا پر اور حق قائم کرنے اور برائی کا انکار کرنے کی خاطر کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ فتنہ وفساد بھڑکانے اور تلوار کے ذریعہ خروج وبغاوت کی جڑ ہیں، اور اس کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں، اسی بنا پر عبداللہ بن محمد الضعیف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: القعدیہ خارجی فرقوں میں سب سے خبیث فرقہ ہے[1]۔

یہی کام عبداللہ بن سبا نے اس وقت کیا جب اس نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو ورغلایا۔

حافظ ابن عساکر فرماتے ہیں: وہ (عبداللہ بن سبا) یہودی تھا، لیکن اس نے اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے مسلم ملکوں کا دورہ کیا، تاکہ وہاں کے مسلمانوں کو ان کے ولاۃ وحکام کی اطاعت سے برگشتہ کر دے، اور ان کے درمیان شر وفساد ڈال دے... پھر اس کے بعد (عبداللہ بن سبا نے) ان سے کہا کہ عثمان نے بہت سا مال جمع کر لیا ہے، جسے انہوں نے ناحق حاصل کیا ہے۔ اور وہ کہا کرتا تھا کہ پہلے تم اپنے امراء وحکام پر طعن وتشنیع شروع کرو، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر (اچھی بات کا حکم دینے اور برائی سے روکنے) کا اظہار کرو، اس طرح تم لوگوں کو اپنی جانب مائل کر لوگے[2]۔

نیزوں اور تلواروں سے خروج وبغاوت اسی وقت ہوتی ہے جب اس سے پہلے زبان کے ذریعہ بغاوت ہو چکی ہو۔

اس کے دلائل میں سے ایک دلیل وہ حدیث ہے، جس میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ سونا بھیجا، جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا، تو ایک شخص (ذوالخویصرہ التمیمی) نے اپنی زبان سے یہ کہتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض کیا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ سے ڈریں، آپ نے فرمایا: "ویلک

---

[1] مسائل الإمام أحمد لأبي داود (ص271).

[2] تاريخ دمشق (29/3 4).

أولستُ أحقّ أهلِ الأرض أنْ يتّقي الله"۔ تم پر افسوس، کیا میں اس روئے زمین پر اللہ سے ڈرنے کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں؟ راوی کہتے ہیں کہ پھر وہ شخص چلا گیا، اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (منافق) کی طرف دیکھا تو وہ پیٹھ پھیر کر جا رہا تھا، آپ نے فرمایا: "إنه يَخْرُجُ من ضِئْضِئِ هذا قومٌ يتلُون كتاب الله رطْبًا لا يُجاوِزُ حناجرَهُمْ، يمْرُقُون من الدِّين كما يمْرُقُ السّهْمُ من الرّمِيّة. وأظُنُّهُ قال: لئنْ أدْرَكْتُهُمْ لأقْتُلنّهُمْ قتْل ثمُود"[1]۔ اس کی نسل سے ایسے لوگ نکلیں گے، جو کتاب اللہ کی تلاوت بڑی خوش الحانی کے ساتھ کریں گے، لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، دین سے وہ لوگ اس طرح نکل جائیں گے، جیسے تیر شکار کے پار نکل جاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں: اور میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا، اگر میں ان کے دور میں ہوا اور وہ مجھے مل گئے تو قوم ثمود کی طرح ان کو قتل کر ڈالوں گا۔

یہاں ملاحظہ کریں، اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار نہیں اٹھائی، بلکہ آپ کے خلاف اپنی زبان استعمال کی، اور آپ پر اعتراض کیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خوارج کی اصل اور جڑ قرار دیا۔

---

[1] اس کو بخاری (4094) نے روایت کیا ہے۔

خوارج کی تخم ریزی کا آغاز

خوارج کی تخم ریزی تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی کلام کے ذریعہ ہو گئی تھی، پھر ان کی نشوونما ہوئی اور وہ امام صابر خلیفہ راشد یکے از عشرہ مبشرہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قتل کا سبب بنے، اس کے بعد خلیفہ راشد امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کا معاملہ بہت سنگین ہو گیا، وہ بہت طاقتور ہو گئے، اور بحیثیت جماعت سب سے پہلے ان کا ظہور جنگ صفین اور اہل عراق وشام کے تحکیم کے مسئلہ پر اتفاق کر لینے کے بعد ہوا، خوارج نے تحکیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا، تم اللہ کے دین کے سلسلے میں رجال کو حَکَم (فیصلہ کرنے والا) بنا رہے ہو، حکم صرف اللہ ہی کا ہے، تو یہی "لا حکم إلا لله" ان کا شعار تھا، جس کے ذریعہ وہ حاکم وقت اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو گئے، اور اس کی وجہ سے انہوں نے ان کو کافر قرار دیدیا، کیونکہ ان کا زعم تھا کہ اس سے قرآن کی مخالفت ہوتی ہے، پھر انہوں نے اپنے اس اعتقاد کی بنا پر کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ کافر ہو گئے، اپنے کو ان کی بیعت سے آزاد کر لیا، اور دوسرے کو اپنا امیر مقرر کر لیا۔ یہ واقعہ (37ھ) میں رونما ہوا۔ اس موقعہ پر ان کے امیر نے ایک فصیح وبلیغ خطبہ دیا، خوارج کی فصاحت وبلاغت ہر زمانے میں معروف ومشہور رہی ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا: «يحسنون القيل ويسيئون الفعل»۔[1] وہ گفتگو بہت اچھی کریں گے، لیکن کام برے کریں گے۔

اس امیر نے اپنے خطبے میں ان کو دنیا سے بے رغبتی اور آخرت میں رغبت کی تاکید کی، اور انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا، اس کا مطلب ان کے نزدیک اپنے مخالفین سے قتال کرنا، اور ان کی جماعت سے خروج کرنا ہوتا ہے۔ پھر ان کے اس امیر نے ان کو دار الاسلام چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ ان کے ظہور کی ابتدا کے سلسلے میں فرماتے ہیں: علی رضی اللہ عنہ نے جب حکومت اور اس کے فیصلوں کو نافذ کرنے کے لیے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو خوارج عبد اللہ بن وہب الراسبی کے گھر میں جمع ہوئے، اس موقع پر اس نے ایک فصیح وبلیغ خطبہ دیا، جس میں ان کو دنیا سے بے رغبتی اور آخرت وجنت میں رغبت کی تاکید کی، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر زور دیا،

---

[1] اس کو احمد (13338) اور ابوداود (4765) نے روایت کیا ہے۔

پھر کہا کہ ہمارے بھائیو، اس بستی کے مکین ظالم ہیں، ان کے ظلم وجور پر مبنی احکام کو مسترد کرتے ہوئے یہاں سے نکل کر آس پاس کی آبادیوں کی طرف چلے جاؤ، پہاڑی اضلاع کی جانب نکل چلو، یا کسی اور شہر کی طرف کوچ کر جاؤ۔

پھر حرقوص بن زہیر کھڑا ہوا، اور اللہ تعالی کی حمد وثنا کے بعد کہا، اس دنیا میں مال ومتاع کم ہے، اور اس سے فراق کا وقت قریب ہے، لہذا اس کی زیب وزینت اور خوبصورتی وتروتازگی تمہیں ہرگز اس میں ٹھہرنے کا باعث نہ بنے، اور نہ حق کا مطالبہ کرنے اور ظلم کا انکار کرنے سے تمہیں پھیرے، کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالی پرہیزگاروں اور نیک کاروں کے ساتھ ہے، یہ سن کر سنان بن حمزہ الأسدی نے کہا، لوگو! رائے وہی (صحیح) ہے، جو آپ لوگوں نے بیان کی، اور حق وہی ہے جس کا ذکر آپ نے کیا، لہذا آپ لوگ اپنے میں سے کسی شخص کو اپنا امیر مقرر کرلیں، کیونکہ آپ کو ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہے، اور اسی کے ساتھ ایک جھنڈا بھی ہونا چاہیے، جس کے اردگرد آپ لوگ حلقہ بنائے رہیں گے، اور اس کی طرف لوٹ کر آئیں گے، چنانچہ انہوں نے زید بن حصین الطائی کے پاس پیغام بھیجا، جو ان کے سرداروں میں سے تھا، اور اس پر امارت کی پیش کش کی کہ آپ ہمارے امیر بن جائیں، لیکن اس نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس کے بعد حرقوص بن زہیر کو اس کی پیش کش کی، لیکن اس نے بھی امارت قبول کرنے سے انکار کر دیا، پھر حمزہ بن سنان پر اس کو پیش کیا، لیکن اس نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا، پھر شریح بن اوفی العبسی پر اسے پیش کیا، لیکن اس نے بھی قبول نہیں کیا، پھر عبداللہ بن وہب الراسبی پر امارت کی پیش کش کی تو اس نے قبول کر لیا اور کہا، سنو! اللہ کی قسم، میں یہ امارت دنیا میں رغبت اور دلچسپی کی بنا پر نہیں قبول کر رہا ہوں، اور نہ اسے موت کے ڈر سے چھوڑوں گا۔

نیز یہ لوگ زید بن حصین الطائی کے گھر میں بھی جمع ہوئے تو اس نے ان کے سامنے تقریر کی اور ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کی تاکید کی اور اس پر زور دیا، اور قرآن مجید کی متعدد آیات ان کو پڑھ کر سنائیں، ان میں سے چند آیات یہ ہیں:

{يا داوُدُ إنا جعلناك خليفةً في الأرضِ فاحكُمْ بين الناسِ بالحقِ ولا تتبعِ الهوى فيضلكَ عن سبيل الله} (ص 26) اے داود! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنادیا، تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔

{ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكافرون} (مائدہ 44) اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ کافر ہیں۔

{وَمَنْ لمْ يحكُمْ بما أنزلَ الله فأولئك همُ الظالمون} (مائدہ 45) اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ ظالم ہیں۔

{وَمَنْ لمْ يحكُمْ بما أنزلَ الله فأولئك همُ الفاسقون} (مائدہ 47) اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ فاسق ہیں۔

ان آیات کو پڑھنے کے بعد اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے اہل قبلہ کے جو دعاۃ ہیں، انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی، کتاب اللہ کے حکم کو پس پشت ڈالدیا، اور اقوال واعمال میں ظلم وجور کیا، ان سے جہاد کرنا مومنوں پر لازم ہے، مومنوں سے مراد وہ خود اپنے آپ کو لیتے ہیں، یہ سن کر ان میں سے ایک آدمی جس کا نام عبد اللہ بن شجرۃ السلمی تھا، رونے لگا۔ پھر اس نے اہل مجلس (خوارج) کو لوگوں کے خلاف بغاوت پر اکسایا، اور اپنے خطاب میں کہا، ان کے چہروں اور پیشانیوں پر تلوار سے مارو یہاں تک کہ رحمن کی اطاعت کی جائے، اگر تم کامیاب ہوگئے، اور اللہ کی اطاعت اسی طرح ہونے لگے جیسی تم چاہتے ہو تو اللہ تعالی تم کو اپنی اطاعت کرنے والوں اور اپنے حکم پر عمل کرنے والوں جیسا ثواب عطا فرمائے گا، اور اگر اس راہ میں تم قتل کردیے گئے تو صبر کرنے، اللہ کے پاس جانے اور اس کی رضا اور اس کی جنت سے افضل وبہتر کونسی چیز ہے؟

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوگوں کی یہ قسم بنی آدم کی سب سے عجیب وغریب قسم ہے، پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق کو اپنے اردے اور سابقہ تقدیر کے مطابق مختلف اقسام میں بنایا۔ خوارج کے بارے میں بعض سلف نے کتنی اچھی بات کہی ہے کہ انہی لوگوں کا ذکر سورہ کہف کی اس آیت میں ہے: {قُلْ هلْ ننبئُكُمْ بالأخسرينَ أعمالا الذين ضلَّ سعيُهُمْ في الحياةِ الدُّنيا وهُمْ

يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴾ (الکہف: 103-105) کہہ دیجئے، کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اعمال کے اعتبار سے کون لوگ زیادہ گھاٹے میں رہیں گے۔ وہ لوگ ہیں جن کی دنیاوی زندگی کی تمام تر کوششیں بے کار ہو گئیں، اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے انکار کیا ہے، اس لیے ان کے اعمال غارت ہو گئے، لہذا قیامت کے دن ہم ان کے اعمال کو ذرا بھی اہمیت نہیں دیں گے۔

مقصود یہ ہے کہ یہ جاہل وگمراہ اور اقوال وافعال میں بد بخت لوگ اس بات پر متفق ہو گئے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان سے نکل کر مدائن کی جانب چلے جائیں، تاکہ اس پر قبضہ کرکے اس میں قلعہ بند ہو جائیں اور اپنے کو محفوظ بنالیں، پھر بصرہ وغیرہ میں موجود اپنے بھائیوں اور اپنے جیسے عقیدے والوں کو پیغام بھیجیں کہ وہ مدائن میں آکر ان سے ملیں، اور یہیں پر سب اکٹھے ہو جائیں، اس اتفاق کے بعد زید بن حصین الطائی نے ان سے کہا کہ تمہارے پاس مدائن پر قبضہ کرنے کی طاقت وقدرت نہیں ہے، کیونکہ وہاں کی فوج کا مقابلہ تم نہیں کر سکتے، وہ پوری قوت کے ساتھ شہر کا دفاع کرے گی، اور تم سے اس کی حفاظت کرے گی، البتہ تم اپنے ہم عقیدہ بھائیوں سے طے کرلو کہ وہ دریائے جوخا کے پل کے پاس آجائیں، لیکن تم لوگ کوفہ سے جماعت کی شکل میں نہ نکلو، بلکہ اکیلے اکیلے نکلو، تاکہ لوگوں کو تمہارے نکلنے کا پتہ نہ چل سکے، چنانچہ انہوں نے بصرہ وغیرہ میں موجود اپنے عقیدے ومسلک کے لوگوں کے نام ایک عام خط لکھ، اور اسے ان کے پاس بھیج کر درخواست کی کہ وہ دریائے جوخا کے پاس آکر ان سے مل جائیں، تاکہ لوگوں کے خلاف وہ متحدہ قوت بن جائیں۔ اس کے بعد وہ لوگ خاموشی اور رازداری کے ساتھ اکیلے اکیلے شہر سے نکلنے لگے، تاکہ ان کے جانے کا کسی کو علم نہ ہو سکے، کہ کہیں وہ انہیں شہر سے باہر جانے سے روک نہ دیں، اس طرح وہ لوگ ماں باپ، چچا اور پھوپھیوں کے درمیان سے نکل کر چلے گئے اور اپنے تمام رشتہ داروں کو چھوڑ دیا، اپنی جہالت اور کم علمی وکم عقلی کی بنا پر ان کا یہ عقیدہ ویقین تھا کہ ان کے اس فعل کے سبب آسمان وزمین کا رب راضی ہو جائے گا، ان کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کام تو کبائر، ہلاک وبرباد کرنے والے گناہوں اور بڑی غلطیوں وخطاؤں میں سے ہے، اور یہ ان افعال میں سے ہے جن

کو ابلیس اور اس کے ساتھ برائی کا حکم دینے والا خود ان کا نفس ان کے سامنے مزین کر کے اور خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔

عام مسلمانوں کی ایک جماعت نے اپنی اولاد، رشتہ داروں اور بھائیوں میں سے بعض کو بچا لیا، ان کو واپس لائے اور ان کی سرزنش کی، خوارج سے الگ ہونے والے ان لوگوں میں سے بعض کے اندر تو استقامت برقرار رہی اور وہ اس پر قائم رہے، لیکن کچھ لوگ اس کے بعد فرار ہو کر دوبارہ خوارج سے جا ملے، اور قیامت تک کے لیے خسارہ اور نقصان اٹھایا، باقی لوگ اس مقرر جگہ چلے گئے اور اہل بصرہ وغیرہ میں سے جن کو انہوں نے وہاں پہونچنے کے لیے لکھا تھا وہ سب ان سے آکر مل گئے، اور نہروان کے مقام پر سب اکٹھے ہو گئے، انہیں خوب شوکت وقوت حاصل ہو گئی، وہ خود مختار فوجی تھے، ان کے اندر جرأت وبہادری اور صبر وثبات تھا، اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ وہ اپنے ان افعال سے اللہ کا قرب حاصل کرنے والے ہیں، وہ ایسے بہادر لوگ تھے جن کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا، اور نہ کوئی ان سے انتقام لینے کا حوصلہ رکھتا تھا۔ واللہ المستعان۔

ادھر کوفہ میں علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے تقریر کی، ان کو جہاد کرنے اور دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت صبر کرنے کی ترغیب دی، اس دوران جب کہ آپ نے اہل شام سے جنگ کرنے کا عزم کیا تھا، آپ کو خبر ملی کہ خوارج نے زمین میں فساد برپا کر رکھا ہے، وہ خونریزی کر رہے ہیں، ڈاکہ ڈال رہے ہیں (راستے بند کر رکھے ہیں) حرام چیزوں کو حلال کر رہے ہیں، اور جن لوگوں کو انہوں نے قتل کیا ہے، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عبد اللہ بن خباب رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے ان کو اور ان کی حاملہ بیوی کو گرفتار کر لیا، اور ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں صحابی رسول عبد اللہ بن خباب ہوں، اور تم لوگوں نے مجھے خوف زدہ کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا آپ پر کوئی خوف نہیں، آپ نے اپنے والد سے جو حدیث سنی ہے، وہ ہم سے بیان کریں، تو انہوں نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: «ستكونُ فتنةٌ القاعدُ فيها خيرٌ من القائمِ، والقائمُ خيرٌ من الماشي، والماشي

خيرٌ من الساعي» عنقریب ایک فتنہ برپا ہوگا، جس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے، اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔
یہ سن کر انہوں نے عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں کھینچ کر آگے لے گئے، وہ ان کے ساتھ چل رہے تھے کہ اسی دوران ان میں سے ایک آدمی نے کسی ذمی (کافر) کی سور دیکھی تو اسے تلوار سے مار کر اس کی جلد کو پھاڑ دیا، دوسرے شخص نے اس سے کہا کہ تم نے کیوں یہ کام کیا، یہ سور تو ایک ذمی کی ہے، چنانچہ وہ آدمی اس ذمی کے پاس گیا، اور اس سے سور کو حلال ٹھہرانے کی اجازت چاہی اور اسے راضی کر لیا، عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ تھے کہ اسی اثناء میں درخت سے ایک کھجور گری تو ان میں سے ایک آدمی نے اسے اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لیا، یہ دیکھ کر دوسرے آدمی نے اس سے کہا کہ بلا اجازت اور اس کی قیمت ادا کیے بغیر ہی تم نے کھالیا؟ تو اس نے اپنے منہ سے نکال کر کھجور پھینک دی۔ ان سب کے باوجود انہوں نے عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کو آگے کیا اور انہیں ذبح کر دیا، اس کے بعد ان کی بیوی کے پاس آئے تو انہوں نے کہا میں حاملہ ہوں، کیا تمہیں اللہ کا خوف نہیں ہے، انہوں نے ان کو بھی ذبح کر دیا اور ان کا پیٹ چیر کر ان کا بچہ باہر نکال دیا۔ جب لوگوں کو ان کے ظلم وستم اور اس قسم کی دہشت گردی کا پتہ چلا تو انہیں یہ خوف ہوا کہ اگر وہ (علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ) شام گئے اور وہاں پر جنگ میں مشغول ہو گئے تو ان کی جگہ ان کے بال بچوں اور گھروں کے لیے یہی (خوارج) رہیں گے، اور خطرہ ہے کہ اسی قسم کی دہشت گردی ان کے ساتھ بھی کریں گے، لہذا ان کے شر وفساد اور مکر وفریب کے خطرے کے پیش نظر انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ پہلے ان سے نمٹیں، جب ان سے فارغ ہو جائیں گے تو وہ آپ کے ساتھ شام جائیں گے، اس صورت میں لوگ ان خوارج کے شر سے محفوظ و مامون ہو جائیں گے، سب لوگوں نے اس رائے و مشورہ سے اتفاق کیا، اس میں ان کے لیے اور اہل شام کے لیے بھی بہت زیادہ خیر و بھلائی تھی، کیونکہ اگر یہ خوارج مضبوط و طاقتور ہو جاتے تو عراق و شام کے تمام علاقوں میں فتنہ وفساد برپا کر دیتے، نہ بچوں کو چھوڑتے اور نہ مرد و عورت کو، کیونکہ ان کے زعم کے مطابق تمام لوگ اتنے خراب اور فاسد ہو چکے ہیں کہ سوائے اجتماعی قتل کے کسی دوسری چیز سے ان کی اصلاح نہیں ہو سکتی ہے۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے حارث بن مرّۃ العبدی کو ان کے پاس بھیجا اور کہا

کہ ان کے حالات کا اچھی طرح جائزہ لو اور مجھے ان کی حقیقت حال کے متعلق واضح طور پر لکھو، علی رضی اللہ عنہ کے حکم کے بعد جب حارث خوارج کے پاس آئے تو انہوں نے ان کو قتل کر دیا اور انہیں کوئی مہلت ہی نہیں دی، جب علی رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ملی تو اپنی فوج لے کر ان کی طرف گئے، اور فی الحال اہل شام سے قتال کو ترک کر دیا[1]۔

[1] البدایۃ والنہایۃ (10/578-585)، نیز ملاحظہ ہو: فتح الباری (12/165-166)

خوارج کی جدت پسندی اور تنوع

تقدیر الٰہی میں یہ بات تھی کہ اس امت میں خوارج اپنے افکار و نظریات اور مناہج کے ساتھ نئے نئے ناموں سے ظاہر ہوتے رہیں گے، یہاں تک کہ آخری زمانے میں دجال خروج کرے گا تو یہ اس کے ساتھ شامل ہو جائیں گے، اور اس کی قیادت میں اس کے جھنڈے تلے مسلمانوں سے لڑیں گے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « يَنْشَأُ نَشْءٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ» ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، جب بھی وہ ابھریں گے، کاٹ دیئے جائیں گے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: «كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ، أَكْثَرَ مِنْ عِشْرِينَ مَرَّةً، حَتَّى يَخْرُجَ فِي عِرَاضِهِمُ الدَّجَّالُ»[1]۔ جب کبھی وہ ابھریں گے، کاٹ دیئے جائیں گے، (اور ایسا) بیس مرتبہ سے زیادہ ہوگا، یہاں تک کہ ان کی جماعت میں دجال خروج کرے گا۔

اور ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: "لَا يَزَالُونَ يَخْرُجُونَ حَتَّى يَخْرُجَ آخِرُهُمْ مَعَ الدَّجَّالِ"[2] یہ برابر خروج کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ ان کے آخری لوگ دجال کے ساتھ خروج کریں گے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس حدیث میں) بیان کیا ہے کہ وہ لوگ دجال کے زمانے تک برابر خروج کرتے رہیں گے، اور مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ خوارج اس لشکر کے ساتھ مختص نہیں ہیں (جس لشکر کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی تھی)[3]۔

---

[1] اس کو ابن ماجہ (174) نے روایت کیا ہے۔

[2] اس کو احمد (19809) نے روایت کیا ہے۔

[3] مجموع الفتاوی (496/28)

خوارج کی مذمت میں متواتر احادیث

خوارج کا فتنہ اور ان کا شر وفساد، دین ودنیا دونوں کے لیے بے حد سنگین اور خطرناک ہے، اسی وجہ سے ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر سے احادیث مروی ہیں، جن میں آپ نے ان کی مذمت کی ہے، ان سے لوگوں کو متنبہ کیا ہے، اور ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے، اور بکثرت احادیث وآثار میں ان کے اوصاف، اور حال وانجام کا بیان وارد ہے، تاکہ کوئی شخص ان سے دھوکہ نہ کھا جائے، اور وہ لوگ اس کے دین کے سلسلے میں اس کو شبہات میں نہ ڈالدیں، لیکن زیادہ زمانہ گزر جانے، فتنوں کے ظاہر ہونے، اور جہالت کے پھیلنے کے سبب ان کے اوصاف کبھی کبھی مخفی اور پوشیدہ رہ جاتے ہیں، اور بعض لوگ ناموں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں، اور کچھ دوسرے لوگ ان کی عبادات کے مظاہر کو دیکھ کر فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور اسی طرح خوارج ہیں، جب وہ جنگ وجدال والے تھے، اور اپنے ہاتھوں میں تلوار اٹھائے ہوئے تھے، تو مسلمانوں کی جماعت سے ان کی مخالفت ظاہر ہوگئی تھی، جس وقت وہ لوگوں سے قتال کرتے تھے، لیکن آج اکثر لوگ ان سے واقف نہیں ہیں[1]۔

اسی امر کے پیش نظر اور ائمہ سلف کے علم کی نشر واشاعت میں حصہ لینے کی خاطر، اور سنت مطہرہ میں جو وارد ہے، اس سے لوگوں کو روشناس کرانے کے لیے اللہ کی مدد حاصل کرتے ہوئے میں خوارج کی بعض صفات بیان کر رہا ہوں، وباللہ التوفیق۔

---

[1] النبوات (546/1)

خوارج کی بعض اہم صفات

1. وہ فتنوں کے وقت نکلیں گے:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ عَظِيمَتَانِ، دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ، تَمْرُقُ بَيْنَهُمَا مَارِقَةٌ يَقْتُلُهَا أَوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ»[1] قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک ایسی دو بڑی جماعتیں آپس میں جنگ نہ کریں، جن کا دعویٰ ایک ہی ہوگا، ان کے درمیان سے ایک فرقہ جدا ہو جائے گا، اور اس کو ان دونوں جماعتوں میں سے وہ جماعت قتل کرے گی، جو حق سے زیادہ قریب ہوگی۔

اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« يَخْرُجُونَ عَلَى حِينِ فُرْقَةٍ مِنَ النَّاسِ»[2] یہ (خوارج) لوگوں کے باہمی اختلاف اور پھوٹ کے زمانے میں ظاہر ہوں گے۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«تَمْرُقُ مَارِقَةٌ عِنْدَ فُرْقَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَقْتُلُهَا أَوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ»[3] مسلمانوں کی پھوٹ اور اختلاف کے وقت ایک فرقہ ان کے درمیان سے جدا ہو جائے گا، اور اس کو ان دونوں جماعتوں میں سے وہ جماعت قتل کرے گی، جو حق سے زیادہ قریب ہوگی۔

یہ دونوں فرقے اصحاب جمل (وہ جنگ جو علی رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان ہوئی تھی) اور اصحاب صفین ہیں (صفین وہ جنگ ہے جو علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوئی تھی)، اور اس پھوٹ اور اختلاف کے وقت جو فرقہ جدا ہو گیا تھا، وہ خوارج تھے، اس فرقے نے جنگ صفین اور

---

[1] اس کو عبد الرزاق (18658) اور انہی کے طریق سے احمد (11906) نے روایت کیا ہے۔ شیخ شعیب الارناؤوط نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

[2] اس کو بخاری (6933) نے روایت کیا ہے۔

[3] اس کو مسلم نے کتاب الزکاۃ، باب ذکر الخوارج وصفاتہم، حدیث نمبر (1064) میں روایت کیا ہے۔

حکمین (ابو موسی اشعری اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما) کی تحکیم کے بعد خروج وبغاوت کی تھی، تو علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی اور ان کو قتل کیا[1]۔

خوارج کے متعلق ہر زمانے میں یہ بات مشہور اور مشاہدے میں رہی ہے کہ وہ فتنہ وفساد اور فرقت واختلاف کے وقت ہی ظاہر ہوتے ہیں، جب حالات بدتر اور خراب ہوتے ہیں تو ان کا ظہور ہوتا ہے، جو ان کے ظہور کے اوقات میں غور کرے گا، اس کے سامنے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی، سب سے پہلے انہوں نے اس وقت خروج کیا جب اہل عراق اور اہل شام کے درمیان فتنہ وفساد اور جنگ وجدال واقع ہوا، تو علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی اور ان کو قتل کیا، اور ان میں سے دس سے کم ہی لوگ زندہ بچے، پھر ان میں سے جو باقی بچ گئے تھے، ان سے وہ لوگ آکر مل گئے جو ان کے افکار ونظریات کی طرف مائل تھے، یہ لوگ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور اس کے بعد معاویہ ویزید کی خلافت میں روپوش رہے، پھر جب یزید کے انتقال کے بعد اختلاف رونما ہوا، اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مسند خلافت پر بیٹھے اور شام کے بعض لوگوں کے علاوہ ہر شہر کے لوگوں نے ان کی اطاعت کا اعلان کیا تو مروان نے بغاوت کر کے خود اپنے لیے خلافت کا دعوی کیا، اور شام سے مصر تک تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا، اس وقت پھر سے خوارج کا ظہور ہوا، یہ لوگ عراق میں نافع بن ازرق اور یمامہ میں نجدہ بن عامر کے ساتھ ظاہر ہوئے، اسی طرح جگہ جگہ ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں نکلتی رہیں گی۔

---

[1] ابن کثیر فرماتے ہیں کہ: علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کا واقع ہونا، تمام اہل علم کو یقینی طور پر معلوم ہے۔
البدایہ والنہایہ (9/ 204)

2. وہ نوجوان اور کم عقل ہوں گے:

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: «يأتي في آخر الزمان قوم، حدثاء الأسنان، سفهاء الأحلام، يقولون من خير قول البرية» [1] آخر زمانے میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے، جو نوجوان، کم عقل اور بے وقوف ہوں گے، باتیں وہ کہیں گے جو دنیا کی بہترین بات ہوگی....

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: «سيخرج في آخر الزمان قوم أحداث الأسنان، سفهاء الأحلام» [2]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "حدثاء الأسنان" سے مراد چھوٹے دانتوں والے اور "سفهاء الأحلام" سے مراد ضعیف و کمزور عقل والے ہیں [3]۔

اور فرمایا: "الأسنان" سن کی جمع ہے، اس سے مراد عمر ہے، یہاں مراد یہ ہے کہ وہ نوجوان ہوں گے۔ اور "سفهاء الأحلام" میں الأحلام، حِلم (حاء کے زیر کے ساتھ) کی جمع ہے، اور اس سے مراد عقل ہے، معنی یہ ہے کہ ان کی عقلیں انتہائی سطحی ہوں گی [4]۔

یعنی وہ کم عمر و کم عقل اور ناتجربہ کار ہیں، ان کے پاس نہ تو تجربات ہیں اور نہ سابقہ معلومات، یہی وجہ ہے کہ ان کے پیشوا اور قائدین ان سے (اور ان کی عقلوں سے) کھیلتے ہیں، ان کو جہاد کے پرکشش نام سے فتنوں کی طرف بلاتے ہیں، اور دین کے نام سے تکفیر اور زمین میں فساد کی دعوت دیتے ہیں۔

---

[1] اس کو بخاری (3611) نے روایت کیا ہے۔

[2] اس کو بخاری (3930) اور مسلم (2427) نے روایت کیا ہے۔

[3] فتح الباري (619/6)

[4] فتح الباري (287/12)

3. جہالت، غلط فہمی، علم اور اہل علم سے دوری

یہ تمام خوارج کی نمایاں صفات ہیں، بشمول ان صفات کے جو پیچھے گزریں، یعنی وہ کمسن اور گھٹیا عقل والے ہیں۔

ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إنَّ مِنْ بعْدِي مِنْ أُمَّتِي - أَوْ سيكُونُ بعْدِي مِنْ أُمَّتِي - قوْمٌ يقْرءُون الْقُرْآن، لا يُجاوِزُ حلاقيمهُمْ، يخْرُجُون مِن الدِّينِ كما يخْرُجُ السَّهْمُ مِن الرَّمِيَّةِ، ثُمَّ لا يعُودُون فِيهِ، هُمْ شرُّ الْخلْقِ والْخلِيقةِ»[1] میرے بعد میری امت سے، یا یہ فرمایا: عنقریب میرے بعد میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے، لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، دین سے وہ ایسے نکل جائیں گے جیسے کہ تیر شکار سے نکلتا ہے، اور دوبارہ وہ دین میں نہیں آئیں گے، وہ ساری مخلوق سے بدتر ہیں۔

اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: «يقْرءُون الْقُرْآن لا يُجاوِزُ حناجِرهُمْ»[2] وہ قرآن مجید کی تلاوت بھی کریں گے، لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «لا يُجاوِزُ حناجِرهُمْ» کے معنی ہیں: نہ قرآن کو وہ سمجھیں گے اور نہ اس کے معنی پر عمل کریں گے[3]۔

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «يقْرءُون الْقُرْآن لا يُجاوِزُ حناجِرهُمْ» کے معنی یہ ہیں کہ ان لوگوں نے قرآن کی قراءت سے فائدہ نہیں اٹھایا، کیونکہ انہوں نے قرآن کی تاویل اپنے من مانے طریقے سے کی، اور قرآن کو سمجھنے کے لیے سنت سے مدد نہیں لی، جو سنت قرآن کی وضاحت کرتی ہے، بلکہ اس کے سبب ان کے اندر سنت کے تئیں جہالت اور دشمنی پیدا ہوئی، اور انہوں نے سلف اور ان کے طریقے پر چلنے والے لوگوں کی تکفیر کی، اور ان کی شہادات وروایات کو رد کر دیا، انہوں نے قرآن کی تاویل اپنی آراء سے کی تو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ قرآن سے انہوں نے نفع نہیں اٹھایا،

---

[1] اس کو مسلم (1067) نے روایت کیا ہے۔

[2] اس کو بخاری (5058) نے روایت کیا ہے۔

[3] المفہم (109/3).

اور اس کی تلاوت سے اتنا ہی فائدہ ان کو حاصل ہوا، جتنا اس شخص کو حاصل ہوتا ہے، جو کھانا چباتا ہے، لیکن اسے نگل نہیں پاتا ہے، اس کے منہ میں موجود کھانا اس کے حلق سے نیچے نہیں اترتا ہے[1]۔

خوارج نے قرآن مجید کو صحیح نہیں سمجھا، اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے:

«يخرج قوم من أمتي يقرؤون القرآن، ليس قراءتكم إلى قراءتهم بشيء، ولا صلاتكم إلى صلاتهم بشيء، ولا صيامكم إلى صيامهم بشيء، يقرؤون القرآن يحسبون أنه لهم وهو عليهم، لا تجاوز صلاتهم تراقيهم...»[2]

میری امت میں سے ایسے لوگ نکلیں گے جو قرآن اتنا عمدہ پڑھیں گے کہ تمہارا پڑھنا ان کے سامنے کچھ نہیں ہوگا، اور نہ تمہاری نماز ان کی نماز کے آگے کچھ ہوگی، اور نہ تمہارا روزہ ان کے روزے کے سامنے کچھ ہوگا، قرآن پڑھ کر وہ سمجھیں گے کہ یہ ان کے لیے باعث اجر وثواب ہے، حالانکہ قرآن ان کے خلاف ہوگا۔ ان کی نماز ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گی، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے۔

اور ابو سعید خدری اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «سيكون في أمتي اختلاف وفرقة، قوم يحسنون القيل ويسيئون الفعل، يقرءون القرآن لا يجاوز تراقيهم، ... يدعون إلى كتاب الله وليسوا منه في شيء»[3] عنقریب میری امت میں (باہمی) اختلاف اور فرقہ بندی ہوگی، ایک جماعت ایسی نکلے گی، جس سے وابستہ لوگ گفتگو تو بہت اچھی کریں گے، لیکن اعمال برے کریں گے، وہ قرآن اس طرح پڑھیں گے کہ قرآن ان کی ہنسلی کی ہڈی سے نیچے نہیں اترے گا (یعنی تلاوت قرآن کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا)... وہ اللہ کی کتاب کی طرف لوگوں کو بلائیں گے، لیکن قرآن کی کوئی بات ان کے اندر نہیں پائی جائے گی (یعنی ان کی عملی زندگی میں قرآن کا کوئی اثر نظر نہیں آئے گا)۔

---

[1] الاستذكار (499/2)

[2] اس کو مسلم (1066) نے روایت کیا ہے۔

[3] اس کو احمد (13338) اور ابوداود (4765) نے روایت کیا ہے۔

قرآن سے ان کی جہالت کی بعض مثالیں:

بکیر بن عبداللہ بن الاشج سے روایت ہے کہ انہوں نے نافع سے پوچھا کہ "حروریہ فرقہ" کے بارے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی کیا رائے تھی؟ تو انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کو اللہ تعالی کی بدترین مخلوق سمجھتے تھے، انہوں نے کفار سے متعلق آیات کو مومنوں پر منطبق کر دیا، اور کہا کہ یہ مومنوں کے بارے میں ہے[1]۔

اور یہی چیز ان کے انحراف کی اصل وجہ ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان کی بدعت کی اصل کے بارے میں فرماتے ہیں: ان کی بدعت کی اصل قرآن کے بارے میں ان کی سمجھ ہے، یعنی انہوں نے قرآن کو سمجھنے میں غلطی کی[2]۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ لوگ قرآن کے حقیقی معنی و مراد کو چھوڑ کر قرآن کی من مانی تاویل کرتے تھے، اور اپنی رائے پر اڑے رہتے تھے اور اسی کو ترجیح دیتے تھے[3]۔

ان کی زبردست جہالت اور غلط فہمی کی ایک دلیل ان کی زبان درازی ہے، وہ مسلمانوں کی تکفیر کرتے تھے، اور ان کا خون بہانے کو مباح اور جائز قرار دیتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خوارج نے ان لوگوں پر کفر کا حکم لگایا جنہوں نے ان کی مخالفت کی تو ان کا خون بہانے کو مباح قرار دیا، اور اہل ذمہ (غیر مسلموں) کو چھوڑ دیا، اور کہا کہ ہم ان سے کیے ہوئے عہد و پیمان پورے کریں گے، اور مشرکین کے ساتھ جنگ چھوڑ کر مسلمانوں سے جنگ میں مشغول ہو گئے۔ یہ تمام چیزیں ان جاہلوں کی عبادت کے آثار میں سے ہیں، جن کے سینے نور علم کے لیے کشادہ نہیں ہوئے، اور انہوں نے علم کی مضبوط رسی کو نہیں پکڑا، ان کی جہالت

---

[1] حافظ ابن حجر نے فتح باری (286/12) میں اسے طبری کی تہذیب الآثار کی طرف منسوب کیا ہے، اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، اور بخاری نے اس کو اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تعلیقاً بصیغہ جزم روایت کیا ہے۔

[2] مجموع الفتاوی (447/17)

[3] فتح الباري (283/12)

اور ضلالت وگمراہی کے لیے یہ کافی ہے کہ ان کے سردار اور سرغنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے اور حکم کو رد کردیا، اور اسے ظلم وجور پر محمول کیا[1]۔

یہ سب علماء سے دور رہنے اور ان کی مجالس اور ان کے فہم سے روگردانی اور اعراض کرنے کے آثار ونتائج میں سے ہیں، اسی لیے جب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، خوارج کے پاس ان سے مناظرہ کرنے کے لیے آئے تو فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے پاس سے آیا ہوں، جن میں انصار بھی ہیں، اور مہاجرین بھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور آپ کے داماد (علی رضی اللہ عنہ) کے پاس سے آیا ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے سامنے قرآن نازل ہوا، یہ لوگ تم سے زیادہ اس کی تاویل وتفسیر کو جانتے ہیں، اور تمہارے اندر ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے[2]۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خوارج کے اسلاف بدوی اور دیہاتی لوگ تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ (صحیح) سنتوں میں تفقہ حاصل کرنے سے پہلے قرآن پڑھا، ان کے اندر مشہور فقہاء میں سے کوئی نہیں تھا، نہ عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کے شاگردوں میں سے، نہ عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) کے شاگردوں میں سے، نہ علی (رضی اللہ عنہ) کے شاگردوں میں سے، نہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے شاگردوں میں سے، نہ ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) کے شاگردوں میں سے، نہ معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) کے شاگردوں میں سے، نہ ابو درداء (رضی اللہ عنہ) کے شاگردوں میں سے، نہ سلمان (رضی اللہ عنہ) کے شاگردوں میں سے، اور نہ زید بن ثابت، عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) کے شاگردوں میں سے کوئی تھا۔ اسی لیے آپ ان کو دیکھیں گے کہ جب کبھی ان کو کوئی نیا مسئلہ پیش آتا اور اس میں معمولی فتوی کی بھی ضرورت پڑتی، تو ان کے درمیان سخت اختلاف ہو جاتا اور اس بنا پر وہ ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگتے، اس سے اس قوم کی کمزوری اور اس کی بڑی جہالت ظاہر ہو گئی[3]۔

---

[1] فتح الباري (301/12)

[2] اس کو نسائی نے سنن کبری (8522) اور حاکم (2 ص 495، 2648) سے روایت کیا ہے۔

[3] الفصل في الملل والأهواء والنحل (121/4).

اور جس وقت علی رضی اللہ عنہ ان کو نصیحت کرتے کرتے مایوس ہو گئے، اور زمین میں ان کے فتنہ وفساد پھیلانے اور ناحق خون بہانے کے بعد ان سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہوئے تو ان کی یہ صفات بیان کیں: "ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ سے دشمنی رکھتے ہیں، اور اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں، ان لوگوں سے قتال کرو جو خطاکار، گمراہ، ظالم اور مجرم ہیں، یہ نہ قرآن کے قراء ہیں اور نہ دین کے فقہاء ہیں، نہ علم تفسیر وتاویل کے علماء ہیں، اور نہ اسلام میں اس سے پہلے ان کا کوئی وجود رہا ہے، اللہ کی قسم اگر یہ تمہارے حاکم بن گئے، تو وہ تمہارے اندر وہی کام کریں گے جو کسریٰ وہرقل (ایران وروم کے بادشاہوں) نے کیے"[1]۔

---

[1] تاریخ الطبری (5/ 78)

4. خود پسندی اور اپنے عمل کے تئیں خود فریبی:

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خود آپ سے یہ حدیث نہیں سنی: «إِنَّ فِيكُمْ قَوْمًا يَعْبُدُونَ وَيَدْأَبُونَ، حَتَّى يُعْجَبَ بِهِمُ النَّاسُ، وَتُعْجِبَهُمْ نُفُوسُهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ»[1] تمہارے اندر ایک قوم ہوگی جو عبادت کرے گی، اور سخت جانفشانی اور محنت و مشقت کے ساتھ عبادت کرے گی، یہاں تک کہ لوگوں کو ان کی کثرت عبادت پر تعجب ہوگا، اور وہ خود پسندی اور غرور میں مبتلا ہوگی، پھر یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے، جیسے تیر شکار کے پار نکل جاتا ہے۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: «سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي اخْتِلَافٌ وَفُرْقَةٌ، وَسَيَجِيءُ قَوْمٌ يُعْجِبُونَكُمْ، وَتُعْجِبُهُمْ أَنْفُسُهُمْ»[2] عنقریب میری امت میں اختلاف اور فرقہ بندی ہوگی، اور ایک قوم ایسی آئے گی، جو (اپنی کثرت عبادت کی بنا پر) تم کو تعجب میں ڈالدے گی، اور ان کا نفس انہیں غرور و تکبر میں مبتلا کردے گا۔

اور خود پسندی اور غرور و تکبر باعث ہلاکت ہے۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ: شُحٌّ مُطَاعٌ وَهَوًى مُتَّبَعٌ وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِرَأْيِهِ»[3] تین چیزیں ہلاک و برباد کردینے والی ہیں: بخل و حرص، خواہشات نفس کی اتباع اور اپنی رائے پر مغرور ہونا۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: «وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ»[4]

آدمی کی خود پسندی اور اس کا اپنے نفس پر مغرور ہونا۔

---

[1] اس کو احمد (12886) نے روایت کیا ہے۔

[2] اس کو حاکم (2648 /147/2) نے روایت کیا ہے۔

[3] اس کو بزار (7293) نے روایت کیا ہے۔

[4] اس کو بزار (6491) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان جب صرف اپنی رائے پر اعتماد کرتا ہے تو اس کے اندر غرور وتکبر پیدا ہو جاتا ہے، اور وہ یہ گمان کرتا ہے کہ وہ حق پر ہے، اس کے نتیجے میں وہ اپنی رائے پر نظر ثانی نہیں کرتا ہے، اور علماء کی مجلسوں میں بیٹھنے کی زحمت نہیں کرتا ہے کہ اس کی اپنی غلطی اور عیب واضح ہو سکے، بلکہ وہ اپنے کو سب سے بڑا علامہ اور سب سے بڑا فقیہ سمجھنے لگتا ہے، یہیں سے انحراف شروع ہوتا ہے، اور شیطان خواہشات نفس کے ذریعہ اسے دھوکہ وفریب میں مبتلا کر دیتا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے دوست واحباب ہوتے ہیں، جو اپنی جہالت کی وجہ سے اس کی بے جا تعریف کر کے اس میں ہوا بھرتے ہیں، اور پھر اس کی ہلاکت کا وقت آ جاتا ہے، اور وہ دین سے نکل جاتا ہے، پھر بھی وہ سمجھتا ہے کہ وہ مجاہدین میں سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا تھا: «يَظْهَرُ الْإِسْلَامُ حَتَّى يَخْتَلِفَ التُّجَّارُ فِي الْبَحْرِ، وَحَتَّى تَخُوضَ الْخَيْلُ فِي سَبِيلِ اللهِ، ثُمَّ يَظْهَرُ قَوْمٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، يَقُولُونَ: مَنْ أَقْرَأُ مِنَّا؟ مَنْ أَعْلَمُ مِنَّا؟ مَنْ أَفْقَهُ مِنَّا؟ " ثُمَّ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: هَلْ فِي أُولَئِكَ مِنْ خَيْرٍ؟ " قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: «أُولَئِكَ مِنْكُمْ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ، وَأُولَئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ»[1] اسلام غالب ہوگا یہاں تک کہ تجار بکثرت سمندری سفر کریں گے، اور گھوڑے اللہ کے راستے میں کود پڑیں گے، پھر ایسے لوگ ظاہر ہوں گے، جو قرآن پڑھیں گے تو کہیں گے کہ ہم سے بڑا قاری کون ہے؟ ہم سے بڑا عالم کون ہے؟ ہم سے بڑا فقیہ کون ہے؟ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے پوچھا کہ کیا ان لوگوں میں کوئی خیر ہے؟ انہوں نے کہا، اللہ اور اس کے رسول کو بہتر علم ہے، تو آپ نے فرمایا: وہ تمہیں میں سے، اسی امت میں سے ہوں گے، وہ جہنم کے ایندھن ہوں گے۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ مَا أَتَخَوَّفُ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ، حَتَّى إِذَا رُئِيَتْ بَهْجَتُهُ عَلَيْهِ، وَكَانَ رِدْئًا لِلْإِسْلَامِ، غَيَّرَهُ إِلَى مَا شَاءَ اللهُ، فَانْسَلَخَ مِنْهُ، وَنَبَذَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ، وَسَعَى عَلَى جَارِهِ بِالسَّيْفِ، وَرَمَاهُ بِالشِّرْكِ»، قَالَ: قُلْتُ:

---

[1] اس کو طبرانی نے الاوسط (6242) میں روایت کیا ہے۔

يا نبيَّ الله، أيُّهما أولى بالشرك، المرميُّ أو الرامي؟ قال: «بل الرامي»[1] مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ ڈر اس آدمی کے متعلق ہے، جو قرآن پڑھے گا، یہاں تک کہ جب اس کی رونق وخوبصورتی کے آثار اس پر نظر آئیں گے اور وہ اسلام کا معاون ومددگار بھی ہوگا، تو وہ اس کو بدل ڈالے گا جس طرح اللہ چاہے گا، پھر وہ قرآن سے نکل جائے گا اور اسے پس پشت ڈالدے گا، اپنے پڑوسی کو تلوار سے مارنے کی کوشش کرے گا اور اس پر شرک کی تہمت لگائے گا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! دونوں میں سے شرک کا زیادہ مستحق کون ہوگا؟ جس پر شرک کی تہمت لگائی گئی وہ، یا جس نے تہمت لگائی وہ؟ تو آپ نے فرمایا، شرک کی تہمت لگانے والا۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: «حتَّى إذا رُئِيَ عَلَيْهِ بَهجتُهُ، وَكَانَ رِدءًا لِلإِسـلَامِ، اعْتَزَلَ إِلَى مَا شاء الله»[2] یہاں تک کہ جب اس کے اوپر قرآن کی رونق وتروتازگی ظاہر ہوگی اور وہ اسلام کا مددگار بھی ہوگا تو وہ مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے گا۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: «حتى إذا رئيت بهجته وكان ردء الإسلام، اعترة الشيطان إلى ما شاء الله»[3] یہاں تک کہ جب اس کے اوپر قرآن کی رونق وتروتازگی ظاہر ہوگی اور وہ اسلام کا مددگار بھی ہوگا کہ شیطان اس کو دھوکہ وفریب میں مبتلا کردے گا۔

قابل غور ہے کہ اس شخص نے بھی بقیہ خوارج کے مثل اس طرح قرآن پڑھا کہ وہ حلق سے نیچے نہیں جاتا ہے، اس نے قرآن تو پڑھا، لیکن بغیر سمجھے پڑھا، اور اسی وجہ سے اس کو دھوکہ وفریب ہوا، پھر وہ لوگوں سے بدظنی اور دین کو غلط سمجھنے کی بنا پر جماعت سے الگ ہوگیا، اور مسلمانوں کی تکفیر شروع کی، پھر اس کے بعد ان کے خلاف تلوار اٹھائی اور اس کا استعمال پڑوسی سے شروع کیا، حالانکہ پڑوسی سب سے زیادہ حقدار ہے کہ اس کے ساتھ بھلائی کی جائے، اور اس کو شر سے مامون ومحفوظ رکھا جائے، لیکن

---

[1] اس کو ابن حبان (81) اور بزار (7293) نے روایت کیا ہے۔

[2] اس کو بزار (2793) نے روایت کیا ہے۔

[3] اس کو ہروی نے ذم الکلام (89) میں روایت کیا ہے۔

خوارج کا معاملہ فطرت کے خلاف ہی چلنا ہے، احسان کرنے والوں کے ساتھ دھوکہ دہی، خیانت اور احسان فراموشی اور ادائیگی حقوق میں کوتاہی کرنا ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابوایوب نے بیان کیا کہ میں نے خوارج میں سے ایک شخص کو نیزہ سے مار کر اس کی پیٹھ کے پار کر دیا، اور اس سے کہا کہ اے اللہ کے دشمن! تمہیں جہنم کی آگ کی خوشخبری ہو، تو اس نے کہا، تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون جہنم میں داخلے کا زیادہ مستحق اور سزاوار ہے۔

علی رضی اللہ عنہ ان کے مقتولین کے درمیان چلتے ہوئے کہنے لگے، برا ہو تمہارا، بے شک تم کو اس نے نقصان پہونچایا جس نے تمہیں دھوکہ میں ڈال دیا، لوگوں نے پوچھا کہ امیر المؤمنین! کس نے ان کو دھوکہ دیا؟ تو انہوں نے فرمایا: شیطان نے اور نفس نے جو برائی پر ابھارتا ہے، خواہشات کے ذریعہ ان کو دھوکہ دیا، اور معاصی وگناہ کے کاموں کو مزین وخوبصورت بنا کر ان کے سامنے پیش کیا، اور انہیں یہ بتایا کہ وہ غالب ہونے والے ہیں۔[1]

خوارج کی خود فریبی کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اعمال کی تعریف کرتے ہیں، اور اس کے ذریعہ سادہ لوح وناتجربہ کار نوجوانوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

یزید الفقیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نوجوان تھا، میں نے قرآن پڑھا تو خوارج کی ایک جماعت مجھ سے بے حد قریب ہو گئی، یہ لوگ مجھے اپنے مذہب کی طرف بلانے لگے، اللہ کی مشیئت کہ میں ان کے ساتھ حج کے لیے نکلا، اسی دوران انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی سے ملاقات کرنے کی رغبت ہے؟ میں ان کے ساتھ گیا تو وہ صحابی، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے کہا کہ اے ابو سعید! ہم میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور خوب پڑھتے ہیں، ابو سعید رضی اللہ عنہ سے بات چل ہی رہی تھی کہ انہوں نے ہمارے خلاف تلوار سونت لی، تو ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "إنَّ قوماً

[1] البداية والنهاية (588/10).

يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم، يمرقون من الإسلام كما يمرق السهم من الرمية"[1] کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے، مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گا، وہ اسلام سے اسی طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل کر پار ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس نوجوان (یزید الفقیر) نے قرآن تو پڑھ لیا تھا، لیکن اس کے پاس علم نہیں تھا، اور نہ وہ اہل علم کی صحبت میں رہا تھا، لہذا خوارج نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا، وہ اس کے آگے پیچھے رہتے، اور اس سے جدا نہ ہوتے، اسے اپنے مذہب کی دعوت دیتے رہے، پھر اس کو حج کی رغبت دلائی، تاکہ اس دوران اس سے تنہائی میں ملیں، اور اپنے شکوک وشبہات اور اپنے منہج سے اس کو آسودہ ومطمئن کر دیں، جیسا کہ خوارج کا طریقہ ہے کہ وہ نوجوانوں کو ایسی جگہوں میں چلنے کی دعوت دیتے ہیں، جو اہل وعیال اور حکام کی نظروں سے دور ہوں، جیسے دور دراز علاقوں میں کیمپ لگانا، حج وعمرہ کے لیے سفر کرنا، صحرا اور بیابانوں کی طرف جانا وغیرہ۔ پھر ان خوارج نے اس نوجوان کو صحابی رسول ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی دعوت دی، تاکہ صحابی رسول سے مل کر اس نوجوان کے سامنے یہ ظاہر کریں کہ وہ جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں، وہ صحیح ہے، صحابی کے پاس وہ اس لیے نہیں گئے تھے کہ ان کے علم سے استفادہ کریں، اور ان سے کچھ سیکھیں، بلکہ اس لیے گئے تھے کہ ان کے پاس وہ اپنے اعمال کی مدح وستائش کریں، چنانچہ انہوں نے کہا کہ اے ابو سعید! ہمارے اندر بہت سے ایسے لوگ ہیں جو قرآن بہت زیادہ پڑھتے ہیں، اور عموماً ایسا اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ پڑھنے والے کی تعریف کی جائے، یا اس سے سکوت اختیار کیا جائے، اور نکیر نہ کی جائے، اور یہ اس نوجوان کے نزدیک ان کے مذہب کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے، جو ان کے ساتھ چل کر گیا ہو، ان کی صحبت میں رہا ہو، اور صرف ان کے ظاہری تقویٰ وصلاح کو دیکھا ہو، لیکن چونکہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس سنت کا علم تھا، اور وہ ان لوگوں سے اچھی طرح واقف تھے، اس لیے انہوں نے ان کو وہ جواب نہیں دیا، جو وہ چاہتے تھے، بلکہ ان کو بے نقاب کر دیا، اس پر انہوں نے اپنی حقیقت ظاہر کرتے ہوئے اپنا حقیقی چہرہ دکھایا اور تلوار

---

[1] الطبوريات (713/2)

اٹھالی، اللہ تعالی نے اس نوجوان کو ایک عالم صحابی کی مجلس میں صرف ایک ہی مرتبہ بیٹھنے پر خوارج کے شر سے بچالیا۔

ہمارے زمانے میں ٹھیک یہی صورت حال ہے کہ خوارج جب کسی نوجوان کو اکیلے میں پاتے ہیں تو یہی سب کرتے ہیں، اور اسے صرف انہی لوگوں کے پاس لے کر جاتے ہیں، جن کو وہ اچھی طرح جانتے ہیں، اور جن سے وہ مطمئن ہوتے ہیں، تاکہ ان کا معاملہ طشت از بام نہ ہو جائے اور ان کی چال ناکام نہ ہو جائے، اور کبھی پہلے ہی سے اس کی منصوبہ بندی کی جاتی ہے، اور یہ کام بڑے ہی منظم طریقے سے کیا جاتا ہے، اسی کے ساتھ وہ اپنے جس شیخ یا پیشوا کے پاس نوجوان کو لے کر جاتے ہیں، اس کی شان میں مبالغہ آرائی کرتے ہیں، اس کی تعریف کے پل باندھ دیتے ہیں، اور اس کے اوپر القاب وآداب کا ہالہ بنا کر اسے آسمان تک اٹھا دیتے ہیں، تاکہ اس کے ذریعہ کمزور لوگوں کو شکار کر لیں۔

یہ اہل سنت اور اہل علم کے طریقے کے خلاف ہے، کیونکہ علمائے اہل سنت نہ اپنی تعریف کرتے ہیں، اور نہ اسے پسند کرتے ہیں۔

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نفع بخش علم والے علماء کی علامات میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے لیے نہ کسی حال کے قائل ہیں، نہ مقام کے، وہ تو تزکیہ اور مدح وستائش کو دل سے ناپسند کرتے ہیں، وہ کسی طرح کا تکبر نہیں کرتے ہیں، اور نہ اپنے کو کسی سے بڑا سمجھتے ہیں، اور جیسے جیسے ان کے علم میں اضافہ ہوتا ہے، اللہ کے لیے ان کی تواضع، خشیت اور عاجزی وانکساری میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور نفع بخش علم کی علامات میں سے یہ ہے کہ یہ علم آدمی کو دنیا سے دور رہنے کی رہنمائی کرتا ہے، اور دنیا کی سب سے بڑی چیز ریاست وحکومت، شہرت وناموری اور مدح وستائش ہے[1]۔

اور پیچھے جو یزید الفقیر کا اثر گزرا ہے، اس میں یہ دلیل ہے کہ علمائے سنت کی ہم نشینی اختیار کرنے اور ان کی مجلسوں میں بیٹھنے سے آدمی منحرف افکار ونظریات سے نجات پا جائے گا، اور اپنے کو محفوظ کر لے گا۔

---

[1] بیان فضل علم السلف علی الخلف (ص 8).

5. عبادت میں غلو اور بے جا تشدد:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: «يَخْرُجُ فِيكُمْ قَوْمٌ تَحْقِرُونَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ، وَصِيَامَكُمْ مَعَ صِيَامِهِمْ، وَعَمَلَكُمْ مَعَ عَمَلِهِمْ، وَيَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ»[1] تم میں ایک ایسی قوم پیدا ہوگی کہ تم اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلہ میں معمولی اور حقیر سمجھوگے، ان کے روزوں کے مقابلے میں تمہیں اپنے روزے، اور ان کے عمل کے مقابلے میں تمہیں اپنا عمل حقیر اور معمولی نظر آئے گا، وہ قرآن مجید کی تلاوت کریں گے، لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، دین سے وہ اس طرح نکل جائیں گے، جیسے تیر شکار کو پار کرکے نکل جاتا ہے۔

اور علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: «يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، لَيْسَ قِرَاءَتُكُمْ إِلَى قِرَاءَتِهِمْ بِشَيْءٍ، وَلَا صَلَاتُكُمْ إِلَى صَلَاتِهِمْ بِشَيْءٍ، وَلَا صِيَامُكُمْ إِلَى صِيَامِهِمْ بِشَيْءٍ، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ يَحْسِبُونَ أَنَّهُ لَهُمْ وَهُوَ عَلَيْهِمْ، لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ»[2] میری امت سے کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو قرآن اتنا عمدہ پڑھیں گے کہ تمہارا پڑھنا ان کے پڑھنے کے سامنے کچھ نہیں ہوگا، اور نہ تمہاری نماز ان کی نماز کے آگے کچھ ہوگی، اور نہ تمہارا روزہ ان کے روزے کے سامنے کچھ ہوگا، قرآن پڑھ کر وہ یہ سمجھیں گے کہ یہ ان کے لیے باعث اجر وثواب ہے، حالانکہ وہ ان کے لیے وبال ہے، ان کی نماز ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گی، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے۔

---

[1] اس کو بخاری (5058) نے روایت کیا ہے۔

[2] اس کو مسلم (1066) نے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کے اندر خبردار کیا گیا ہے کہ دین میں اور عبادت میں کوئی شخص غلو اور تشدد نہ کرے کہ اپنے اوپر ایسی ایسی عبادتوں کا بوجھ ڈالے جن کا شریعت نے حکم نہیں دیا ہے، شارع نے تو شریعت کے متعلق یہ کہا ہے کہ اس میں آسانی اور نرمی ہے۔[1]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ میں نے خود آپ سے یہ حدیث نہیں سنی۔ «إِنَّ فِيكُمْ قَوْمًا يَعْبُدُونَ وَيَدْأَبُونَ، حَتَّى يُعْجَبَ بِهِمُ النَّاسُ، وَتُعْجِبَهُمْ نُفُوسُهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ»[2] تمہارے اندر ایک قوم ہوگی جو عبادت کرے گی، اور سخت جانفشانی اور محنت ومشقت کے ساتھ عبادت کرے گی، یہاں تک کہ لوگوں کو ان کی کثرت عبادت پر تعجب ہوگا، اور وہ خود پسندی اور غرور میں مبتلا ہوں گے، دین سے وہ لوگ اس طرح نکل جائیں گے، جیسے تیر شکار کے پار نکل جاتا ہے۔

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی ابو سعید رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور پوچھا، کیا آپ نے حروریہ (خوارج) کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بیان کرتے ہوئے سنا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: «قَوْمٌ يَتَعَمَّقُونَ فِي الدِّينِ، يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ عِنْدَ صَلَاتِهِمْ، وَصَوْمَهُ عِنْدَ صَوْمِهِمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ»[3] ایک قوم ہوگی، جو دین میں غلو کرے گی، آدمی اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلے میں، اور اپنے روزے کو ان کے روزوں کے مقابلے میں حقیر اور معمولی سمجھے گا، وہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے، جیسے تیر شکار کو پار کرتے ہوئے نکل جاتا ہے۔

---

[1] فتح الباري (301/12).

[2] اس کو احمد (12886) نے روایت کیا ہے۔

[3] اس کو احمد (11291) نے روایت کیا ہے۔

اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "فإنه سيكون له شيعة يتعمقون في الدين، حتى يخرجوا منه"[1] اس (ذوالخویصرۃ) کے عنقریب پیروکار ہوں گے، جو دین میں غلو وتشدد کریں گے، یہاں تک کہ اس سے باہر نکل جائیں گے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب حروریہ (خوارج) مسلمانوں سے الگ ہوگئے تو وہ سب ایک گھر میں جمع تھے، میں نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ امیر المؤمنین! آپ نماز ٹھنڈی کر کے پڑھیں (یعنی کچھ تاخیر سے پڑھیں) تاکہ میں ان لوگوں کے پاس جا کر ان سے بات کروں، علی رضی اللہ عنہ نے کہا، مجھے تمہارے متعلق ان سے خطرہ لگ رہا ہے، میں نے کہا ان شاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، اس کے بعد میں نے یمنی کپڑوں میں سے سب سے عمدہ وخوبصورت کپڑا جو میں پہن سکتا تھا، پہنا، پھر ان کے پاس اس وقت پہونچا جب وہ دوپہر میں قیلولہ کر رہے تھے، کہتے ہیں کہ میں ایسی قوم کے پاس آیا کہ اس جیسی دوسری قوم میں نے کبھی نہیں دیکھی، جو ان سے زیادہ عبادت میں مشقت کرنے والی ہو، ان کے ہاتھوں میں کثرت عبادت کی وجہ سے نشان پڑ گئے تھے، جیسے کہ وہ اونٹ کے گھٹنے ہوں، جو بیٹھنے اور زمین پر لگنے کی وجہ سے سخت ہو جاتے ہیں، اور ان میں نشان پڑ جاتے ہیں، اور ان کی پیشانیوں میں سجدوں کے نشانات تھے...[2]۔

اس کے شواہد میں سے یہ بھی ہے کہ عروہ بن حدیر، جو جنگ نہروان میں قتل ہونے سے بچ گیا تھا، اور جو خوارج کے سرداروں میں سے تھا، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک زندہ رہا، زیاد بن ابیہ کے پاس اپنے ایک غلام کے ساتھ آیا، زیاد نے اس سے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم کے متعلق پوچھا تو اس نے ان دونوں کے بارے میں اچھی بات کہی، اور جب عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا، میں عثمان کا حامی ووفادار تھا، اور چھ سالوں تک ان کی خلافت کے امور ومعاملات میں ان کی مدد کرتا رہا، پھر میں نے ان حالات وواقعات کے بعد جو انہوں نے پیدا کیے، ان سے اپنی براءت ظاہر کی، اور پھر اس نے عثمان رضی اللہ عنہ کو کافر گردانا، اس کے بعد زیاد نے اس سے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے

---

[1] اس کو احمد (7038) نے روایت کیا ہے۔

[2] اس کو عبدالرزاق (18678) نے روایت کیا ہے۔

متعلق پوچھ، تواس نے کہا، میں ان سے محبت کرتا تھا، لیکن جب انہوں نے دونوں حکم (ابو موسی اشعری اور عمرو بن عاص) کو تسلیم کر لیا، تو اس کے بعد میں نے علی (رضی اللہ عنہ) سے براءت ظاہر کر دی، اور پھر اس نے ان کو کافر گردانا، اس کے بعد زیاد نے اس سے پوچھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو اس نے ان کو بہت برا بھلا کہا، اور پھر انہوں نے اپنے متعلق پوچھ کہ میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تو اس نے کہا، تمہاری ابتدا یہ ہے کہ تم زنا کا نتیجہ ہو، اور تمہاری انتہا یہ ہے کہ تمہارے نسب میں شبہ ہے، اور ان دونوں حالتوں کے درمیان تمہارا حال یہ ہے کہ تم اپنے رب کے نافرمان ہو، یہ سن کر زیاد نے اس کی گردن مارنے کا حکم دیا، پھر اس کے غلام کو بلایا اور اس سے کہا، تم مجھ سے اس (عروہ بن حدیر) کی حقیقت اور اس کے معمولات کے بارے میں سچ سچ بتاؤ، اس نے کہا تفصیل سے بیان کروں، یا مختصر طور پر؟ زیاد نے کہا، مختصر طور پر، اس نے کہا، میں دن میں کبھی بھی اس کے پاس کھانا نہیں لایا، اور نہ رات میں کبھی اس کے لیے بستر بچھایا۔

یعنی لمبے قیام کی وجہ سے وہ رات میں کبھی سوتا نہیں ہے، اور ہمیشہ روزہ رکھنے کی وجہ سے وہ دن میں کبھی کھانا نہیں کھاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ تہجد پڑھتا ہے، اور روزانہ روزہ رکھتا ہے۔

علامہ شہرستانی نے اس پر یہ تبصرہ کیا ہے: یہ اس کا معاملہ اور اس کا اجتہاد ہے، اور وہ اس کی خیانت اور اعتقاد ہے[1]۔

خوارج نے خلاف سنت عبادت میں تکلف کیا، اور اپنے اوپر سختی کی، جس کا ان کو مکلف نہیں کیا گیا تھا، اور اس کے بارے میں غلو کیا، انہوں نے علماء کی مجلسوں میں بیٹھنا چھوڑ دیا، تو شیطان نے ان کو شکوک وشبہات میں مبتلا کر دیا، ان کے برے عمل اور بھیانک جرائم کو ان کے لیے مزین کر دیا، اور انہیں آہستہ آہستہ بدعتوں سے تلوار تک پہونچادیا۔

عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے ان کے آنے کا انتظار کر رہے تھے کہ اس دوران ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ آگئے، اور پوچھا کیا ابو عبدالرحمن (یعنی عبداللہ بن مسعود) ابھی تمہارے پاس نہیں آئے؟ ہم نے کہا نہیں، تو وہ بھی ہمارے

---

[1] اس کو شہرستانی نے الملل والنحل (317/1) میں بیان کیا ہے۔

ساتھ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے آنے کے انتظار میں بیٹھ گئے، جب وہ آگئے تو ہم سب ان کی طرف بڑھے، اور ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا، اے ابو عبد الرحمن! (عبد اللہ بن مسعود کی کنیت ہے) میں نے ابھی مسجد میں ایک نئی اور منکر چیز دیکھی، اور میرے خیال میں وہ خیر ہی ہے، انہوں نے پوچھ وہ کیا ہے؟ ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا، اگر آپ زندہ رہے تو خود دیکھ لیں گے، میں نے مسجد میں ایک جماعت کو دیکھا جو حلقہ بنائے ہوئے بیٹھی تھی، اور نماز کا انتظار کر رہی تھی، ہر حلقہ میں ایک آدمی نمایاں تھا، اور ان سب کے ہاتھوں میں کنکریاں تھیں، حلقہ کا امیر کہتا کہ سو مرتبہ تکبیر کہو، تو وہ سب سو مرتبہ تکبیر کہتے، پھر وہ کہتا سو مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھو، تو وہ سب سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کہتے، پھر وہ کہتا کہ سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھو، تو سب سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھتے، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا، آپ نے ان سے کیا کہا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس میں مجھے آپ کی رائے کا انتظار تھا، اس لیے میں نے ان سے کچھ نہیں کہا، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ان کو اس بات کا حکم کیوں نہیں دیا کہ وہ اپنی برائیوں کو شمار کریں، اور آپ ان کو ضمانت دیدیتے کہ ان کی نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی، پھر وہ آگے بڑھے، اور ہم بھی ان کے ساتھ گئے، یہاں تک کہ مسجد کے حلقوں میں سے ایک حلقہ کے پاس آئے اور ان کے پاس کھڑے ہو کر کہا، یہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں، جسے ہم دیکھ رہے ہیں؟ انہوں نے کہا، ابو عبد الرحمن! یہ کنکریاں ہیں جن کے ذریعہ ہم تکبیر و تہلیل اور تسبیح شمار کر رہے ہیں، یہ سن کر انہوں نے کہا، اپنے گناہوں کو شمار کرو، میں تمہارا ضامن ہوں کہ تمہاری نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی، اے امت محمد! تمہیں کیا ہو گیا ہے، اتنی جلدی ہلاکت کی طرف کیوں بڑھ رہے ہو؟ یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ابھی بڑی تعداد میں موجود ہیں، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے ہیں جو ابھی پرانے بھی نہیں ہوئے، ان کے برتن ابھی ٹوٹے بھی نہیں ہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کیا تمہارا طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے اچھا ہے، یا تم گمراہی وضلالت کا دروازہ کھولنے والے ہو؟ انہوں نے کہا، اللہ کی قسم اے ابو عبد الرحمن، ہماری نیت تو خیر وبھلائی ہی کی ہے، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا، بہت سے خیر کے طلبگار ہیں جو خیر تک نہیں پہونچ پائیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے، جو

قرآن پڑھیں گے، لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا،اللہ کی قسم میں نہیں جانتا شاید ان میں کے اکثر تمہیں میں سے ہیں، پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔ عمرو بن سلمہ کا بیان ہے کہ ہم نے ان حلقوں میں بیٹھنے والے اکثر لوگوں کو دیکھ کہ جنگ نہروان کے موقع پر وہ خوارج کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف لڑ رہے تھے[1]۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ لوگ دین میں بے جا سختی کریں گے، ایسی جگہ سختی و تشدد سے کام لیں گے جو سختی کی جگہ نہیں ہوگی، نماز اور تلاوت قرآن میں مبالغہ کریں گے، یعنی کثرت سے نماز پڑھیں گے اور قرآن کی تلاوت کریں گے، لیکن اسلام کے حقوق ادا نہیں کریں گے، بلکہ وہ اسلام سے نکل جائیں گے[2]۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس عبادت ہے، پرہیزگاری، اور زہد وتقوی ہے، لیکن یہ سب بغیر علم کے ہے[3]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (خوارج) زہد و تقوی اور خشوع وغیرہ میں بہت غلو کرتے ہیں[4]۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر باطن میں فساد ہو تو عبادت وطاعت میں محنت ومشقت کرنا نفع نہیں دے گا۔

امام آجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص کسی ایسے خارجی کی (عبادت وطاعت میں) محنت ومشقت اور کوشش کو دیکھے جس نے حاکم کے خلاف خروج وبغاوت کی ہو، حاکم خواہ عدل وانصاف کرنے والا ہو یا ظلم وجور کرنے والا، اور اس نے اپنے ساتھ ایک جماعت اکٹھا کی اور تلوار اٹھائی، اور مسلمانوں سے جنگ کو حلال سمجھ لیا تو اس شخص کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اس خارجی کے ظاہری زہد و تقوی یعنی اس کی

---

[1] اس کو دارمی نے سنن (210) میں روایت کیا ہے۔

[2] شرح مسلم (166/7)

[3] مجموع الفتاوی (580/28).

[4] فتح الباري (283/12).

کثرت تلاوت، لمبی لمبی نمازوں ، ہمیشہ روزہ رکھنے اور علم میں اس کے بہترین الفاظ سے دھوکہ نہ کھائے، جب کہ اس کا مذہب خوارج کا مذہب ہو[1]۔

خوارج کے غلو و تشدد میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مخالفین سے اور ان لوگوں سے سخت بغض و عداوت رکھتے ہیں جو ان کے مذہب کو اختیار نہیں کرتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہیثم نے خوارج میں سے ایک شخص کے متعلق بیان کیا کہ اس نے کہا، عبداللہ بن وہب (الراسبی) علی رضی اللہ عنہ سے سخت عداوت دو شمنی کی وجہ سے ان کو جاحد (کافر و منکر) کہتا تھا[2]۔

---

[1] الشریعۃ (345/1).

[2] البدایۃ والنهایۃ (591/10)

6. اپنی عقل ورائے سے سنت کی مخالفت کرنا، اپنی فہم کو حکم بنانا اور سنت میں طعن وتشنیع کرکے اسے رد کردینا:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مال تقسیم فرمارہے تھے کہ عبد اللہ بن ذوالخویصرۃ التمیمی آیا اور اس نے کہا، اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ عدل و انصاف سے کام لیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «وَيْحَكَ، وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ» قَالَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ: دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَهُ، قَالَ: «دَعْهُ، فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلاَتَهُ مَعَ صَلاَتِهِ، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ»[1] افسوس، اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا، اس پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا، آپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن ماردوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو، کیونکہ اس کے کچھ ایسے ساتھی ہوں گے کہ ان کی نماز اور روزے کے سامنے تم اپنی نماز اور روزے کو حقیر اور معمولی سمجھوگے، لیکن وہ دین سے اس طرح باہر ہوجائیں گے جس طرح تیر شکار سے باہر نکل جاتا ہے۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اسلام میں پہلا خارجی ہے جس نے خروج کیا، اور اس کی آفت وبلا یہ ہے کہ وہ اپنی خودکی رائے پر راضی ہوگیا، اگر اسے شریعت کا علم ہوتا تو اسے یہ معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے اوپر کسی کی رائے نہیں ہوسکتی ہے[2]۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (یعنی) بدعتوں کی ابتدا ظن اور خواہشات نفس کے سبب سنت پر طعن وتشنیع سے ہوئی تھی، جس طرح ابلیس نے اپنے رب کے حکم پر اپنی رائے اور خواہشات نفس کے سبب طعن کیا تھا۔[3]

---

1 اس کو بخاری (6933) نے روایت کیا ہے۔

2 تلبیس ابلیس (550/2)

3 مجموع فتاوی (350/3)

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: کیونکہ خوارج کی بدعت کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ ان امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کو جائز نہیں سمجھتے ہیں، جن میں آپ نے ان کے زعم کے مطابق ظاہر قرآن کی مخالفت کی ہے[1]۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: وہ اپنے زعم کے مطابق قرآن پر عمل کرتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کی اتباع نہیں کرتے تھے، جس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ قرآن کے مخالف ہے[2]۔

آپ مزید فرماتے ہیں: بعض خوارج اس سنت کو رد کر دیتے ہیں، جو بظاہر قرآن کے مخالف ہے، حالانکہ ان کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مسنون قرار دیا ہے[3]۔

اور اسی لیے وہ سمع وطاعت اور ظالم حکام کے خلاف خروج وبغاوت نہ کرنے کا حکم دینے والی احادیث کو خاطر میں نہیں لاتے، بلکہ وہ ان احادیث پر عمل کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں، یا ان احادیث کو ان کے اصل مقتضی سے ہٹا کر دوسرے معنی ومفہوم میں لے جاتے ہیں۔

---

1 مجموع الفتاوی (104/20)

2 مجموع الفتاوی (473/28)

3 مجموع الفتاوی (90/22)

7. مسلم حکام کے خلاف ان کی دیدہ دلیری، ان پر طعن و تشنیع اور ان کے عیوب بیان کرنا:

خوارج کے فتنے کی شروعات نفرت وعداوت پھیلانے سے ہوتی ہے، سب سے پہلے وہ عوام کے دلوں میں حاکم کے خلاف بغض وعداوت کا بیج بوتے ہیں، اور عوام کو ان کے حکام کے خلاف برانگیختہ کرتے ہیں، کبھی ان کے عیوب ذکر کرکے، کبھی محرومی کا شکوہ کرکے، اور کبھی ظلم وفساد پھیلنے کو سبب بنا کر ان کو نشانہ بناتے ہیں، اور اسے وہ نصیحت وخیر خواہی، امر بالمعروف اور دین کے لیے غیرت وغیرہ کے قالب میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں۔

اس امر کی ابتدا ذوالخویصرۃ سے ہوئی، جب اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مال غنیمت کی تقسیم پر اعتراض کیا، آپ کی طرف ظلم وجور کی نسبت کی، اور انتہائی سخت اسلوب میں آپ سے بات کی، اور کہا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ سے ڈریں، آپ نے فرمایا: "وَيْلَكَ أَوَلَسْتُ أَحَقَّ أَهْلِ الأَرْضِ أَنْ يَتَّقِيَ اللَّهَ" تم پر افسوس، کیا میں اس روئے زمین پر اللہ سے ڈرنے کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں؟ راوی کہتے ہیں کہ پھر وہ شخص چلا گیا، اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (منافق) کی طرف دیکھا تو وہ پیٹھ پھیر کر جا رہا تھا، آپ نے فرمایا: "إِنَّهُ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ[1] هَذَا قَوْمٌ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ رَطْبًا لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، وَأَظُنُّهُ قَالَ: لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ ثَمُودَ"[2] اس کی نسل سے ایک ایسی قوم نکلے گی جس کے لوگ کتاب اللہ کی تلاوت بڑی خوش الحانی کے ساتھ کریں گے، لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، دین سے وہ لوگ اس طرح نکل جائیں گے، جیسے تیر شکار کے پار نکل جاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں: اور میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا، اگر میں ان کے دور میں ہوا اور وہ مجھے مل گئے تو قوم ثمود کی طرح ان کو قتل کر ڈالوں گا۔

---

1 ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ یہ قوم اس کی نسل سے نکلے گی، کیونکہ وہ خوارج جن کا ہم نے ذکر کیا، وہ اس کی نسل سے نہیں تھے، میں ان خوارج کے کسی فرد کو نہیں جانتا کہ وہ اس کی نسل سے ہے۔ بلکہ "من ضئضئ هذا" سے مراد یہ ہے کہ قول وفعل کے اعتبار سے وہ اسی جیسا ہوگا۔

2 اس کو بخاری (4094) نے روایت کیا ہے۔

ان کا یہ فعل عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پوری طرح سے واضح ہو کر سامنے آگیا تھا۔ جیسا کہ طبری نے عامر بن سعد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: سب سے پہلا شخص جس نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بدزبانی کی جرأت کی، وہ جبلہ بن عمرو الساعدی تھا، وہ اپنی قوم کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اس کے پاس سے گزرے، جبلہ بن عمرو کے ہاتھ میں ایک طوق تھا، جب عثمان رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو انہوں نے سلام کیا، اور اہل مجلس نے ان کے سلام کا جواب دیا، یہ دیکھ کر جبلہ نے کہا، تم لوگ ایسے شخص کے سلام کا جواب کیوں دیتے ہو، جس نے ایسا ایسا کام کیا ہے، عامر بن سعد کہتے ہیں کہ پھر وہ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا، اللہ کی قسم میں یہ طوق آپ کی گردن میں ضرور ڈالوں گا، یا پھر آپ اپنے معتمدین اور خاص لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹائیں، عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کون سے خاص لوگ؟ اللہ کی قسم میں تو (خلافت کے امور و معاملات کو بہتر طور پر انجام دینے کے لیے) اچھے لوگوں کا انتخاب کرتا ہوں، اس نے کہا، آپ نے مروان کو چنا ہے، معاویہ کو چنا ہے، عبد اللہ بن عامر بن کریز کو چنا ہے، اور عبد اللہ بن سعد کو چنا ہے، راوی کہتے ہیں کہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے گئے تو آج تک لوگ برابر عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اس قسم کی جرأت اور دیدہ دلیری کرتے رہتے ہیں[1]۔

محمد بن عمر سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے سالم مولی ام محمد نے بیان کیا، انہوں نے خالد بن ابی عمران سے، اور انہوں نے حنش بن عبد اللہ الصنعانی سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا: سن 31 ہجری میں جب لوگ سمندر میں سفر کرنے کے لیے کشتیوں پر سوار ہوئے، تو سب سے پہلی چیز جو محمد بن ابی حذیفہ سے سنی گئی، یہ تھی کہ جب عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح نے لوگوں کو عصر کی نماز پڑھائی تو محمد بن ابی حذیفہ نے پیچھے بلند آواز سے تکبیر کہی، یہاں تک کہ امام عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح نماز سے فارغ ہوئے، سلام پھیرنے کے بعد انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ یہ محمد بن ابی حذیفہ کی آواز تھی، جو تکبیر کہہ رہے تھے، عبد اللہ بن سعد نے اس کو بلایا اور کہا، یہ کیسی بدعت اور دین میں نئی چیز ہے؟

---

[1] تاریخ الطبری (366/4)

اس نے کہا کہ نہ یہ بدعت ہے اور نہ دین میں نئی چیز ہے، (امام کے پیچھے) تکبیر کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، انہوں نے کہا دوبارہ یہ حرکت ہر گز نہ کرنا۔

راوی کہتے ہیں کہ محمد بن ابی حذیفہ کو چپ کرا دیا گیا، پھر جب عبد اللہ بن سعد نے مغرب کی نماز پڑھائی، تو محمد بن ابی حذیفہ نے تکبیر کہی اور پہلی مرتبہ سے زیادہ بلند آواز سے کہی، تو عبد اللہ بن سعد نے اس سے کہا، تم احمق نوجوان ہو، اللہ کی قسم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ مجھے معلوم نہیں کہ امیر المؤمنین کیا فیصلہ کریں گے، تو میں تم کو قید کر دیتا، محمد بن ابی حذیفہ نے کہا، اللہ کی قسم اس کام کے لیے آپ کے پاس کوئی راستہ نہیں ہے، اور اگر آپ نے ایسا کرنے کا ارادہ بھی کیا تو اسے نہیں کر سکیں گے، تو عبد اللہ بن سعد نے کہا، خاموش رہو اسی میں تمہاری بھلائی ہے، اللہ کی قسم تم کو ہمارے ساتھ کشتی میں سوار نہیں ہونا ہے، اس نے کہا، تو کیا میں مسلمانوں کے ساتھ سوار ہو جاؤں؟ انہوں نے کہا، جہاں چاہو سوار ہو جاؤ۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ اکیلا ایک کشتی میں سوار ہوا، جس میں اس کے ساتھ صرف قبطی (نصرانی) تھے، چنانچہ جب مسلمان فوج ذات الصواری پہونچی تو رومی افواج سے ان کا سامنا ہوا، جن کے پاس پانچ یا چھ سو کشتیاں تھیں، ان میں قسطنطین بن ہرقل بھی تھا، اس نے اپنے لوگوں سے مشورہ طلب کیا، تو انہوں نے کہا، آج رات ہم انتظار کریں گے، چنانچہ وہ سب رات میں ناقوس بجاتے رہے، اور مسلمانوں نے نماز پڑھنے اور اللہ سے دعاء کرنے میں رات گزاری۔

صبح ہوئی تو قسطنطین جنگ کرنے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنی کشتیاں قریب قریب کرلیں، اور مسلمانوں نے بھی اپنی کشتیاں قریب کر کے ان کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا، عبد اللہ بن سعد نے کشتیوں کے کنارے مسلمانوں کی صف بندی کی، اور ان کو حکم دیا کہ قرآن کی تلاوت کریں، اور صبر و تحمل سے کام لیں، رومیوں نے مسلمانوں کی کشتیوں میں چھلانگ لگا کر ان کی صفوں پر حملہ کر دیا اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر دیا، اس کے بعد مسلمان صف بندی کے بغیر ہی لڑ رہے تھے۔

روای کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے جنگ میں جان کی بازی لگا دی، تو اللہ تعالی نے مسلمانوں کی مدد کی، اور انہوں نے رومیوں کی بڑی تعداد کو قتل کیا، صرف وہی بچا جو بھاگ گیا۔

راوی کہتے ہیں کہ رومیوں کو شکست دینے کے بعد مسلمانوں کے کمانڈر عبداللہ بن سعد نے ذات الصواری میں چند دن قیام کیا، پھر واپسی کی راہ لی۔ اس دوران محمد بن ابی حذیفہ لوگوں سے کہنے لگا کہ حقیقی جہاد تو ہم نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا ہے، یہ سن کر ایک آدمی نے پوچھا کون سا جہاد؟ اس نے کہا عثمان بن عفان نے ایسا ایسا کام کیا (یعنی اس نے لوگوں کو عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکایا) یہاں تک کہ اس نے لوگوں کو گمراہ اور خراب کر دیا، اس کی گمراہ کن باتیں لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ گئیں، اور جب وہ اپنے شہر میں واپس آئے تو وہ ان کو گمراہ اور فاسد کر چکا تھا، اور پھر وہ لوگ ایسی باتیں کرنے لگے جو انہوں نے پہلے کبھی اپنی زبان سے نہیں نکالی تھیں۔

اور ایک روایت میں ہے: جس سال عبداللہ بن سعد (رومیوں سے جنگ کے لیے) نکلے، محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر بھی نکلے، ان دونوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے عیوب بیان کیے، اور ان تبدیلیوں کا ذکر کیا، جو عثمان رضی اللہ عنہ نے کی تھیں، اور ان چیزوں کا بھی ذکر کیا، جن میں انہوں نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی مخالفت کی تھی، اور اس کے ساتھ یہ فتویٰ دیا کہ عثمان کا خون حلال ہے۔

وہ دونوں یہ بھی کہہ رہے تھے کہ عثمان نے عبداللہ بن سعد جیسے شخص کو عامل (گورنر) بنایا، جس کا خون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مباح قرار دیا تھا، اور قرآن میں اس کا کفر نازل ہوا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو نکال دیا تھا، انہوں نے ان کو داخل کر لیا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو معزول کر دیا، اور سعید بن عاص اور عبداللہ بن عامر کو عامل (گورنر) بنا دیا۔

ان دونوں کی یہ باتیں عبداللہ بن سعد تک پہونچیں تو انہوں نے ان سے کہا کہ ہمارے ساتھ کشتی میں سوار مت ہونا، تو وہ ایک ایسی کشتی میں سوار ہوئے جس میں کوئی مسلمان نہیں تھا، جب مسلمان (ذات الصواری) پہونچے تو دشمن سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی، اور یہ دونوں (محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر) لڑنے کے اعتبار سے مسلمانوں میں سب سے کمزور تھے، گویا بے دلی سے لڑ رہے تھے، جب اس کی وجہ ان سے پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم اس شخص (عبداللہ بن سعد) کی قیادت میں کس طرح جنگ کر سکتے ہیں، جس کو حاکم بنانا ہمارے لیے مناسب نہیں ہے۔ عثمان نے ان کو عامل بنایا، اور عثمان نے ایسے ایسے کام کیے، اس طرح ان دونوں نے اس جنگ میں شریک مسلمانوں کو گمراہ کیا، اور عثمان رضی اللہ عنہ

پر سخت قسم کے الزامات لگائے، تو عبد اللہ بن سعد نے ان کے پاس پیغام بھیج کر انہیں سختی کے ساتھ اس سے منع کیا، اور کہا کہ اللہ کی قسم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ مجھے معلوم نہیں کہ امیر المؤمنین کیا فیصلہ کریں گے، تو میں تم کو قید کر دیتا[1]۔

اور عون بن ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے جب ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا، تو ان کے پاس خوارج میں سے دو آدمی زرعہ بن البرج الطائی اور حرقوص بن زہیر اسعدی آئے اور کہا حکم صرف اللہ کا ہے (اللہ کے فیصلہ کے سوا کسی اور کا فیصلہ تسلیم نہیں ہے) تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا، حکم صرف اللہ ہی کا ہے، یہ سن کر حرقوص نے ان سے کہا، آپ اپنی غلطی سے توبہ کریں اور اپنے فیصلے سے رجوع کریں... زرعہ بن البرج نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا، اے علی! اللہ کی قسم اگر آپ اللہ کی کتاب کے بارے میں لوگوں کو حکم اور فیصلہ کرنے والا بنانا نہیں چھوڑیں گے تو میں آپ سے جنگ کروں گا، اور یہ میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کروں گا، یہ سن کر علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا، تمہارا برا ہو، کس قدر تم بدبخت ہو، شیطان نے تم کو مدہوش کر دیا ہے، تم لوگ اللہ سے ڈرو، اس دنیا میں تمہارے لیے کوئی بھلائی نہیں ہے، جس کی خاطر تم قتال کر رہے ہو[2]۔

عبد الملک بن ابی حرۃ الحنفی سے روایت ہے کہ ایک دن علی رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لیے نکلے، وہ خطبہ دے ہی رہے تھے کہ اسی دوران لوگوں نے مسجد کے اطراف میں بلند آواز سے "لا حكم إلا لله" (حکم صرف اللہ کا ہے) کا نعرہ لگانا شروع کر دیا، تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ اکبر، یہ حق بات ہے، لیکن اس سے باطل مراد لیا جا رہا ہے، اگر وہ خاموش رہیں تو ہم ان کے ساتھ عام مسلمانوں جیسا معاملہ کریں گے، اور اگر وہ بحث کریں تو ہم دلیل سے ان کو مغلوب کر دیں گے، اور اگر ہمارے خلاف خروج و بغاوت کریں گے، تو ہم ان سے لڑیں گے، یہ سن کر یزید بن عاصم المحاربی کود کر آیا اور کہا، ساری تعریف اللہ کے لیے ہے، اس سے کوئی بے نیاز نہیں ہو سکتا ہے، اے اللہ! ہم اپنے دین کے بارے میں ذلت و رسوائی قبول کرنے سے تیری پناہ مانگتے ہیں، کیونکہ دین میں اہانت و ذلت قبول کرنا اللہ کے حکم

---

[1] تاريخ الطبري (4/ 291)

[2] تاريخ الطبري (5/ 72)

میں مداہنت ہے، اور ایسی رسوائی ہے جو اللہ تعالی کی ناراضگی تک لے جانے والی ہے، اے علی! کیا آپ ہمیں قتل سے ڈرا رہے ہیں، اللہ کی قسم مجھے امید ہے کہ ہم آپ لوگوں پر تلوار کی کاری ضرب لگائیں گے، تلوار کی دھار سے ماریں گے، پھر آپ لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون جہنم کا زیادہ مستحق ہے۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر وہاں سے چلا گیا، اس کے ساتھ اس کے تین بھائی بھی تھے، وہ خوارج کے ساتھ جنگ نہاوند میں مارے گئے، اور ان میں سے ایک اس کے بعد نخیلہ میں مرا گیا[1]۔

یہ تاریخی شواہد ہیں، جو دلالت کرتے ہیں کہ تلوار کے ذریعہ بغاوت کی اصل وبنیاد، زبان کے ذریعہ بغاوت ہے، یعنی خوارج حکام کے خلاف تلوار اٹھانے سے پہلے ان کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں، ان پر مختلف قسم کے الزامات لگاتے ہیں، اور اسی کے سبب ان کی ہیبت ختم ہو جاتی ہے، اور عام لوگ بھی زبان درازی کرنے لگتے ہیں، اور فتنہ شروع ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے اس قسم کے فتنے وفساد کا سبب بنے والے اعمال پر شریعت کے اندر سخت وعید آئی ہے۔

زیاد بن کسیب العدوی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابن عامر کے منبر کے نیچے بیٹھا ہوا تھا، وہ خطبہ دے رہے تھے، اور ان کے جسم پر باریک کپڑے تھے، تو ابو بلال نے کہا، لوگو! ہمارے امیر کو دیکھو، وہ فاسقوں کے کپڑے پہنتے ہیں، یہ سن کر ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، خاموش ہو جاؤ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: «من أهان سلطان الله في الأرض أهانه الله»[2] جو شخص زمین میں اللہ کے حاکم کی توہین کرے گا، اللہ تعالی اسے ذلیل ورسوا کرے گا۔

امام ذہبی فرماتے ہیں: یہ ابو بلال، مرداس بن اُدَیّہ خارجی ہے، اس کی جہالت ہے کہ اس نے مردوں کے باریک کپڑوں کو فساق کا لباس شمار کیا[3]۔

---

1 تاریخ الطبری (5/73)

2 اس کو ترمذی (2224) نے روایت کیا ہے۔

3 سیر أعلام النبلاء (508/14).

قابل غور ہے کہ اس خارجی نے سب کے سامنے مسلمانوں کے حاکم پر نکیر کی، تو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خاموش رہنے کو کہا اور بیان کیا کہ یہ حاکم کی توہین ہے، اور جو ایسا کرے گا، اللہ تعالی اس کو رسوا و ذلیل کرے گا۔

سعید بن جمہان بیان کرتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، جو نابینا تھے، میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے کہا، میں سعید بن جمہان ہوں، انہوں نے کہا، تمہارے والد کی کیا خبر ہے؟ میں نے کہا، ازارقہ نے ان کو قتل کر دیا ہے، انہوں نے کہا، اللہ تعالی ازارقہ پر لعنت فرمائے، اللہ تعالی ازارقہ پر لعنت فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان کیا ہے: " أَنَّهُمْ كِلَابُ النَّارِ" وہ جہنم کے کتے ہیں۔

سعید کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا، صرف ازارقہ یا تمام خوارج؟ انہوں نے جواب دیا، بلکہ تمام خوارج (جہنم کے کتے ہیں) پھر میں نے کہا کہ حاکم بھی تو لوگوں پر ظلم وغیرہ کرتا ہے، تو انہوں نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر زور سے دبایا، پھر کہا، اے ابن جمہان! افسوس ہے تم پر، سواد اعظم کو لازم پکڑو، جماعت کے ساتھ مل کر رہو، اگر حاکم تمہاری بات سنتا ہے تو اس کے پاس اس کے گھر میں جاؤ، اور جو کچھ تمہیں معلوم ہے اس کو بتاؤ، اگر وہ تمہاری بات مان لے تو بہتر، ورنہ اسے چھوڑ دو، کیونکہ تم اس سے زیادہ نہیں جانتے ہو[1]۔

جو شخص حاکم وقت کی تنقیص کرتا ہے، اس پر طعن و تشنیع کر کے اس کے خلاف فتنہ و فساد بھڑکاتا ہے، اور لوگوں کو اس کی اطاعت سے روکتا ہے، اس کے تئیں کیا کرنا واجب اور ضروری ہے، اس کے بارے میں امام شوکانی فرماتے ہیں: اس شخص کو اس قسم کے فعل سے روکنا واجب ہے، اگر وہ اس سے باز آگیا تو بہتر ہے، ورنہ وہ سخت سزا کا مستحق ہے، اور اس کو قید کر کے، اس کے اور ان لوگوں کے درمیان دوری پیدا کر دی جائے گی، جن کو وہ امام وقت کے خلاف ورغلاتا ہے، کیونکہ وہ ایک بہت بڑے جرم کا

[1] اس کو احمد (19415) نے روایت کیا ہے۔

ارتکاب کر رہا ہے، اور فتنہ وفساد بھڑکانے کی کوشش کر رہا ہے، جس کے سبب بہت خونریزی ہوگی، عزتیں پامال کی جائیں گی...[1]۔

سلف سے کثرت سے ایسے آثار واقوال وارد ہیں، جن میں اس قسم کے کام سے منع کیا گیا ہے، اور اس کی مذمت کی گئی ہے۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کبار صحابہ کرام ہمیں حکام کو برا بھلا کہنے سے منع کرتے تھے[2]۔

ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آدمی کا پہلا نفاق اپنے حاکم پر طعن وتشنیع کرنا ہے[3]۔

ابوجمرہ الضبعی بیان کرتے ہیں، جب مجھے بیت اللہ کے جلانے کی خبر ملی، تو میں نے مکہ کا سفر کیا، اور وہاں پہونچ کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس متعدد بار گیا، یہاں تک کہ انہوں نے مجھے پہچان لیا اور مجھ سے مانوس ہو گئے، ایک مرتبہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حجاج کو برا بھلا کہا تو انہوں نے مجھ کو اس سے منع کیا اور کہا، شیطان کے مددگار مت بنو[4]۔

ابوادریس خولانی کہتے ہیں کہ حکام پر طعن وتشنیع سے بچو، کیونکہ ان پر طعن وتشنیع کرنا، مونڈ دینے والا ہے، دین کو مونڈ دینے والا ہے، بال کو مونڈنے والا نہیں، یاد رکھو طعن وتشنیع کرنے والے ناکام اور سب سے برے لوگ ہیں[5]۔

لہذا واجب یہ ہے کہ حاکم کو خفیہ اور پوشیدہ طور پر نصیحت کی جائے، نہ کہ اس پر طعن وتشنیع کی جائے، اور اسے رسوا کیا جائے، سنت میں اسی کی تاکید کی گئی ہے۔

عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "مَنْ أرادَ أنْ ينصحَ لسُلطانٍ بأمرٍ، فلا يُبدِ لهُ علانيةً، ولكنْ ليأخذْ بيدِه،

---

1 السیل الجرار (415/4)

2 اس کو ابن حبان نے الثقات (315-314/5) اور ابن عبدالبر نے التمہید (287/21) میں روایت کیا ہے۔

3 اس کو بیہقی نے شعب الایمان (48/7) اور ابن عبدالبر نے التمہید (287/21) میں روایت کیا ہے۔

4 اس کو بخاری نے التاریخ الکبیر (104/8) میں روایت کیا ہے۔

5 اس کو ابن زنجویہ نے الاموال (80/1) میں روایت کیا ہے۔

فيخلُو به، فإنْ قبِل منهُ فذاك، وإلّا كان قد أدّى الّذي عليه له"[1] جو شخص حاکم کو کسی معاملے میں نصیحت کرنا چاہتا ہے، تو علانیہ طور پر نہ کرے، بلکہ اس کا ہاتھ پکڑے اور تنہائی میں لے جا کر اس کو سمجھائے، اگر وہ اس کی نصیحت قبول کر لے، تو بہتر، ورنہ اس کے اوپر حاکم کے تئیں جو ذمہ داری تھی اس نے ادا کر دی۔

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس شخص کے سامنے کسی مسئلہ میں حاکم کی غلطی ظاہر ہو جائے، اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اس کو نصیحت کرے، لیکن سب کے سامنے اس کی قباحت نہ ظاہر کرے، بلکہ۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ اس کا ہاتھ پکڑے اور تنہائی میں لے جا کر اسے نصیحت کرے، اور اللہ کے حاکم کو ذلیل و رسوا نہ کرے[2]۔

لیکن خوارج نے جب خواہشات نفس کی اتباع کی اور سنت سے دور ہٹ گئے تو انہوں نے دین میں تحریف کی، اور اسے بدل کر اپنی خواہشات کے مطابق کر لیا۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خوارج نے حکام سے جنگ کرنے، اور ان کے خلاف تلوار کے ذریعہ خروج و بغاوت کرنے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا[3]۔

اس سے معلوم ہوا کہ حاکم پر علانیہ نکیر نہیں کی جائے گی، نہ اس کو برا بھلا کہا جائے گا، اور نہ اس کے خلاف شور و ہنگامہ اور فتنہ و فساد پھیلایا جائے گا، بلکہ خفیہ طریقے سے اسے نصیحت کی جائے گی، یہی اہل حق کا جہاد ہے، اگر آپ صادق و مخلص ہیں، اور اپنے وطن، اپنے حاکم اور عوام سے محبت کرنے والے ہیں، تو خاموشی سے اور خفیہ طریقے سے نصیحت کریں، اور اس نصیحت سے آپ کا مقصود اللہ تعالی کی رضا کا حصول ہو، جہاد یہی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پوچھا گیا کہ کون سا جہاد افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "كلمةُ حقٍّ عند إمامٍ جائرٍ"[4] ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا۔

---

[1] اس کو احمد (15333) نے روایت کیا ہے۔

[2] السیل الجرار (556/4)

[3] إغاثة اللهفان (81/2)

[4] اس کو احمد (18828) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں غور کریں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "عند إمام" کہا ہے، یعنی حق بات "حاکم کے پاس" کہنا ہے، نہ کہ سیٹلائٹ پروگراموں میں، نہ ریڈیو کے ذریعہ، نہ انٹرنیٹ کی ویب سائٹوں میں، نہ منبروں پر اور نہ اخبارات ومجلات میں، اور یہ بھی اس صورت میں ہے جب حاکم ظالم ہو، لیکن جب بادشاہ یا حاکم صالح ہو، اور عدل وانصاف کرنے والا ہو، تو علانیہ اور کھلے عام اس پر طعن وتشنیع اور اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

امراء وحکام کو عزت واحترام حاصل ہے، اور ان کا ایک مقام ومرتبہ ہے، جس کے پیش نظر ان کو برا بھلا کہنا، ان پر تہمت والزام لگانا، اور ان کی مصیبت وغم پر خوشی کا اظہار کرنا جائز نہیں ہے، خواہ انہوں نے بعض امور میں غلطیاں کی ہوں، بلکہ ان کے مقام ومرتبہ کا احترام کیا جائے گا، ان کو خفیہ طور پر نصیحت کی جائے گی، اور ان پر طعن وتشنیع نہیں کی جائے گی۔

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ حمیر قبیلہ کے ایک شخص نے دشمن کے ایک آدمی کو قتل کیا اور اس کا سامان لینا چاہا، لیکن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو لشکر کے کمانڈر تھے، اس کو مقتول کا سامان لینے سے روک دیا، تو عوف بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور آپ سے اس کے متعلق بیان کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «ما منعك أن تعطيه سلبه؟» تم نے اس کو سامان کیوں نہیں دیا؟ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا، اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ سامان بہت زیادہ تھا، (تو میں نے وہ سب دینا مناسب نہیں سمجھا) آپ نے فرمایا: «ادفعه إليه» سامان اسے دیدو۔ پھر خالد رضی اللہ عنہ، عوف رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، تو انہوں نے خالد رضی اللہ عنہ کی چادر کھینچی اور کہا، آخر وہی ہوا، جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تھا (یعنی انہوں نے خالد کو شرمندہ کیا کہ آخر کار تم کو سامان دینا پڑا) یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ ہوئے، اور فرمایا: «لا تعطه يا خالد، لا تعطه يا خالد، هل أنتم تاركون لي أمرائي؟ إنما مثلكم ومثلهم كمثل رجل استرعي إبلا، أو غنما، فرعاها، ثم تحين سقيها، فأوردها حوضا، فشرعت فيه فشربت صفوه، وتركت كدره، فصفوه لكم، وكدره

علیهم» [1] اے خالد !مت دو اسے، اے خالد !مت دو اسے، کیا تم میرے امراء کو چھوڑنے والے ہو؟ تمہاری اور ان کی مثال اس شخص جیسی ہے، جس کو اونٹ یا بکریاں چرانے کے لیے کہا گیا، تو اس نے ان کو چرایا، اور ان کی پیاس کا وقت دیکھ کر ان کو حوض پر لایا، انہوں نے پینا شروع کیا تو صاف پانی پی گئیں، اور گدلا پانی اور تلچھٹ چھوڑ دیا، تو صاف (یعنی اچھی باتیں) تو تمہارے لیے ہیں اور گدلا (یعنی بری باتیں) ولاۃ و حکام پر ہیں، (یعنی بدنامی اور مواخذہ ان سے ہو)۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جو لوگ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ غزوہ موتہ میں گئے تھے، میں بھی ان میں تھا، تو اسلامی فوج کی مدد کے لیے جو لوگ یمن سے آئے تھے ان میں سے ایک آدمی میرے ساتھ ہو گیا، اس کے پاس سوائے اس کی تلوار کے اور کوئی چیز نہیں تھی، اس دوران فوج کے ایک آدمی نے اپنا اونٹ ذبح کیا تو اس یمنی نے اس سے اونٹ کی کھال طلب کی، جو اس نے دیدی، یمنی نے کھال کو اس کے کناروں تک دھوپ میں پھیلا دیا، جب وہ سوکھ گئی تو اس کو ڈھال کی شکل میں بنا کر اس میں دستہ لگالیا، پھر ہم آگے بڑھے، یہاں تک کہ رومیوں سے ہمارا سامنا ہوا، ان کے ساتھ عرب کے نصرانی بھی تھے، انہوں نے ہم سے سخت جنگ لڑی، ان کے ساتھ ایک رومی اپنے گہرے سرخ و زرد رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا، اس کے پاس سونے کی قلعی کی ہوئی تلوار تھی، اس کے ہتھیار میں سونے کی قلعی تھی، اور اس کے گھوڑے کی زین میں بھی سونے کی قلعی کی ہوئی تھی۔ راوی کہتے ہیں، وہ کفار کو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے جوش دلانے لگا، تو یمنی اس کی گھات میں ایک چٹان کی آڑ لے کر بیٹھ گیا، جب وہ سوار اس کے پاس سے گزرا تو اس نے اس کے گھوڑے کے پچھلے دونوں پیر پر مارا، جس سے گھوڑا بیٹھ گیا اور رومی سوار گھوڑے سے گر پڑا، یمنی تلوار لے کر اس کے اوپر چڑھ گیا اور اسے قتل کر دیا، اور اس کا تمام سامان لے لیا، پھر وہ سامان لے کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، جب اللہ تعالی نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمادی تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یمنی کو مقتول سے چھینا ہوا سامان دیا اور کچھ حصہ اپنے پاس روک لیا، عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا، اے خالد! کیا آپ کو نہیں معلوم کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کا سامان قاتل کے لیے مقرر فرمایا ہے؟ خالد نے کہا میں جانتا ہوں، عوف رضی اللہ

---

1 اس کو مسلم (1753) نے روایت کیا ہے۔

عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا، پھر آپ نے سب سامان اس کو کیوں نہیں دیا؟ انہوں نے کہا یہ سامان بہت تھا،(اس لیے میں نے اس میں سے کچھ حصہ لے لیا) میں نے کہا، آپ یہ سامان اس کو دیدیں، ورنہ میں آپ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بتاؤں گا، لیکن خالد رضی اللہ عنہ نے اسے سامان دینے سے انکار کردیا، عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکٹھے ہوئے تو میں نے آپ سے یمنی کا واقعہ بیان کیا اور جو خالد رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ کیا تھا، وہ بھی بتادیا، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، اے خالد! تم نے ایسا کیوں کیا؟ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اس سامان کو زیادہ تصور کیا (اس لیے اس میں سے کچھ حصہ لے لیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے خالد! اسے پورا سامان دے دو، عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خالد رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرنے کے لیے واپس مڑے تو میں نے خالد سے کہا، جو میں نے آپ سے کہا تھا، کیا اسے پورا نہیں کردکھایا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کیا؟ تو میں نے آپ کو پوری بات بتادی، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ میں کہا، خالد! اسے (یمنی کو) کچھ مت دینا، کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میرے مقرر کردہ امراء وسرداروں کو چھوڑدو، وہ جو اچھا کام کریں اس سے فائدہ اٹھاو، اور بری بات انہیں پر ڈالدو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات دو مرتبہ کہی[1]۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ رعایہ بنا بنایا اور آسان کام کرتے ہیں، ان کے عطیے بغیر کسی کمی کے ان تک پہونچتے ہیں، لیکن امراء وحکام سخت قسم کے کام کرتے ہیں، مال صحیح طریقے سے جمع کرتے ہیں، اور صحیح جگہوں میں خرچ کرتے ہیں، رعایا کا تحفظ کرتے ہیں، ان کے ساتھ شفقت ومحبت سے پیش آتے ہیں، ان کا دفاع کرتے ہیں، ایک دوسرے سے انصاف دلاتے ہیں، بایں ہمہ اگر کبھی ان میں سے کسی سے کوتاہی یا کوئی ناپسندیدہ امر سرزد ہوجائے تو لوگوں کے بجائے ساری ذمہ داری امراء کے سر ڈال دی جاتی ہے۔[2]

---

1 اس کو ابو عوانہ نے المستخرج (6653) میں روایت کیا ہے۔

2 شرح مسلم (65/12)

8. مسلم حکام،اور مسلمانوں کی جماعت کے خلاف بغاوت کرنااوران سے قتال کرنا:

یہ خوارج کی سب سے نمایاں صفات میں سے ہے،اوراسی کے سبب وہ خوارج کے نام سے موسوم ہوئے،یہی ان کا سب سے بڑا فتنہ اوران کے فاسد مذہب کا ثمرہ ہے۔یہ لوگ اس گمان سے خروج وبغاوت کرتے ہیں کہ دین قائم کریں گے،عدل وانصاف پھیلائیں گے،نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے،لیکن وہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور کھیتی اور نسل کو تباہ وبرباد کرتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شاید کوئی ایسی جماعت مشہور ومعروف نہیں، جس نے حاکم کے خلاف بغاوت کی مگراس کی بغاوت کے نتیجے میں جو فتنہ وفساد ہوا،وہ اس فساد سے بڑھ کر تھا جس کا ازالہ اس نے کیا[1]۔

اور علامہ ابن القیم رحمہ اللہ اس کے متعلق فرماتے ہیں: حکام وامراء کے خلاف خروج وبغاوت تمام برائی اور فتنہ وفساد کی جڑ ہے...جو شخص اسلام کے خلاف برپا چھوٹے اور بڑے فتنوں کے بارے میں غور کرے گا،اسے معلوم ہوجائے گا کہ ان فتنوں کا سبب اسی اصول (یعنی حاکم کے خلاف خروج وبغاوت نہ کرنااوراس کے خلاف شرعی کام دیکھ کر صبر کرنا) کو ترک کرنا ہوا[2]۔

---

1 منهاج السنة (391/3)

2 إعلام الموقعين (12/3)

9. دار الاسلام میں مسلمانوں کی جماعت سے علاحدگی اختیار کرنا، یا کم از کم مسلمانوں سے مختلف فکر اختیار کرنا:

خوارج مسلم معاشرے سے سب سے زیادہ کٹ کر رہنے والے لوگ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایک صفت یہ بیان فرمائی : «يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ»[1] وہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے، جیسے تیر شکار کو پار کرتے ہوئے نکل جاتا ہے۔

یہ خوارج اپنے اقوال وافعال اور عقائد کے ذریعہ مسلمانوں کو چھوڑ کر الگ ہو جانے والے لوگ ہیں، یہ معاملہ پہلی مرتبہ اس وقت روشنی میں آیا جب مسئلہ تحکیم کے بعد ان لوگوں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیعت سے دست بردار ہو کر اپنے میں سے ایک آدمی عبداللہ بن وہب الراسبی سے بیعت کر لی، اس کے بعد یہ لوگ شریح بن اوفی العبسی کے گھر میں جمع ہوئے، تو ابن وہب نے کہا، ہم کسی ایسے شہر کی طرف کوچ کریں، جہاں ہم اکٹھا ہو کر اللہ کے احکام کو نافذ کریں، کیونکہ تم اہل حق ہو۔ شریح نے کہا ہم مدائن جا کر پڑاؤ ڈالیں گے، اس کے دروازوں کو پکڑ لیں گے، اور شہر سے اس کے باشندوں کو باہر نکال دیں گے، اور بصرہ کے باشندوں میں جو ہمارے ہم مسلک بھائی ہیں، ان کے پاس یہاں آنے کا پیغام بھیجیں گے، تو وہ ہمارے پاس آ جائیں گے، یہ سن کر زید بن حصین نے کہا، اگر تم اکٹھے ہو کر نکلوگے تو تمہارا پیچھا کیا جائے گا، لہذا تم اکیلے اکیلے چھپ کر اور پوری رازداری کے ساتھ نکلو، جہاں تک مدائن کا معاملہ ہے تو اس میں فوج کے جوان ہیں جو تم کو شہر میں داخل ہونے سے روکیں گے، اس لیے تم نہروان کے پل کے پاس پہونچو، اور بصرہ میں تمہارے مذہب وعقیدے والے جو لوگ ہیں، ان کو لکھو کہ وہ بھی یہاں پہونچیں، اس کی بات سن کر وہاں موجود سب نے کہا، یہ بہترین رائے ہے[2]۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مقصود یہ ہے کہ یہ جاہل وگمراہ اور اقوال وافعال میں بدبخت لوگ اس بات پر متفق ہو گئے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان سے نکل جائیں، ... وہ لوگ خاموشی اور رازداری کے ساتھ اکیلے اکیلے شہر سے نکلنے لگے، تاکہ ان کے بارے میں کسی کو علم نہ ہو سکے کہ وہ انہیں

---

[1] اس کو بخاری (3611) اور مسلم (2415) نے روایت کیا ہے۔

[2] تاريخ الطبري (75/5).

شہر سے باہر جانے سے روکیں، اس طرح وہ لوگ ماں باپ، چچا اور پھوپھیوں کے درمیان سے نکل کر چلے گئے اور اپنے تمام رشتہ داروں کو چھوڑ دیا، اپنی جہالت اور کم علمی وکم عقلی کی بنا پر ان کا یہ عقیدہ ویقین تھا کہ ان کے اس فعل کے سبب آسمان وزمین کا رب راضی ہو جائے گا، ان کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کام تو کبائر، ہلاک وبرباد کرنے والے گناہوں اور بڑی غلطیوں اور خطاؤں میں سے ہے، اور یہ ان افعال میں سے ہے، جن کو ابلیس اور اس کے ساتھ برائی کا حکم دینے والا خود ان کا نفس ان کے سامنے مزین کر کے اور خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے[1]۔

اسی وجہ سے انہوں نے اپنے متبعین پر ہجرت کو واجب کر دیا۔ سعید بن جمہان سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: ہم جس وقت خوارج سے قتال کر رہے تھے، عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بھی ہمارے درمیان موجود تھے، ان کا ایک غلام خوارج سے جاملا تھا، جو دریا کے اُس کنارے پر تھے، اور ہم لوگ اِس کنارے پر، تو ہم نے اس جوان کو ابوفیروز کہہ کر پکارا اور کہا کہ تمہاری ہلاکت وبربادی ہو، یہ تمہارے آقا عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ ہیں، اس نے کہا کس قدر اچھے آدمی ہیں اگر وہ ہجرت کرتے، عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے پوچھا، اللہ کا دشمن کیا کہہ رہا ہے؟ ہم نے کہا وہ آپ کے متعلق کہہ رہا ہے کہ کتنے اچھے آدمی ہیں اگر ہجرت کرتے، تو انہوں نے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری ہجرت کے بعد بھی کوئی ہجرت باقی ہے؟ پھر کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "طُوبَى لِمَنْ قَتَلَهُمْ وَقَتَلُوهُ"[2] خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جو ان کو قتل کر دے، یا ان کے ہاتھ سے قتل ہو جائے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خوارج حاکم، جماعت اور ملک کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں، انہوں نے اپنے ملک کا نام دار الہجرۃ رکھا، اور مسلمانوں کے ملک کو دار الکفر اور دار الحرب قرار دیا[3]۔

---

1 البداية والنهاية (10/578-585).

2 اس کو احمد (19149) نے روایت کیا ہے۔

3 مجموع الفتاوى (35/13).

انہوں نے مزید فرمایا: خوارج حاکم کے خلاف تلوار اٹھانے کو جائز سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک ان کے ملک کے علاوہ ہر ملک دار الکفر ہے[1]۔

خوارج کا مسلمانوں کے ملک اور ان کی حکومتوں سے الگ ہو جانا، اور اس گمان کی وجہ سے کہ ان کے علاوہ دوسرے تمام مسلمان مرتد ہیں، اپنے لیے خاص ملک اور خلافت کی تشکیل کرنا، شریعت کی مخالفت کرنا اور معاصی و نافرمانی کا ارتکاب کرنا ایک قدیم عقیدہ ہے، جس میں خوارج کی جدت پسندی کی وجہ سے جدت آتی رہتی ہے، اسی لیے ہمارے زمانے کے بڑے بڑے اہل قلم نے عصر حاضر کی جاہلیت کے سلسلے میں کتابیں لکھیں، اور دیگر ایسی کتابیں بھی، جن میں اسلامی معاشروں پر مرتد ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، ان سے الگ ہو جانے اور ان کے حکام کو ایسے طریقوں سے بدلنے کی کوشش کرنے کی دعوت دی گئی ہے، جو ان کے عقیدے و مشرب کے مطابق ہو یہاں تک کہ ان کے ایک بڑے رہنما نے کہا، آج روئے زمین پر نہ کوئی مسلم ملک ہے، اور نہ کوئی مسلم معاشرہ[2]۔

اور یہ بھی کہا: یہ جاہلی معاشرہ جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں، وہ مسلم معاشرہ نہیں ہے[3]۔

نیز یہ بھی کہا: زمانہ گھوم پھر کر اسی حالت پر آ گیا جیسے اس دن تھا، جس دن یہ دین انسانیت کے پاس لا الہ الا اللہ کے ساتھ آیا، کیونکہ انسانیت بندوں کی عبادت اور ادیان کے ظلم و جور کی طرف لوٹ گئی، اور لا الہ الا اللہ سے دور ہو گئی[4]۔

اور اپنی جماعت کو علاحدگی کا حکم دیتے ہوئے کہا: زمین میں کہیں بھی مسلم جماعت کے لیے نجات نہیں ہے، سوائے اس کے کہ یہ جماعت اعتقادی، شعوری اور زندگی کے منہج کے اعتبار سے اپنی قوم کے اہل جاہلیت سے الگ ہو جائے، یہاں تک کہ اللہ تعالی اس کو دار الاسلام کے قیام کی اجازت دیدے، جس کو وہ مضبوطی سے پکڑ لے، یا یہ کہ وہ مکمل طور پر سمجھ لے کہ وہی امت مسلمہ ہے، اور اس کے آس پاس کا معاشرہ، جاہلی معاشرہ ہے، اور اس کے ارد گرد کے لوگ جو ان کی جماعت کے منہج میں داخل نہیں ہوئے

---

[1] منهاج السنة (3/465)

[2] في ظلال القرآن (4/2122)

[3] في ظلال القرآن (4/2009)

[4] في ظلال القرآن (1057/2)

ہیں، وہ جاہلی معاشرے کے لوگ ہیں، اور اپنی قوم سے عقیدے اور منہج کی بنا پر الگ ہو جائے، اور اس کے بعد اللہ تعالی سے دعاء کرے کہ وہ اس کے اور اس کی قوم کے درمیان حق کے موافق فیصلہ کر دے، اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے[1]۔

اور اس کی تکمیل کے سلسلے میں کہا: مسلمانوں اور جماعت اسلامی کے اراکین کے پاس سوائے اس کے اور کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وہ اپنے مشن کو شروع کریں، مطلوبہ انقلاب برپا کریں، اور جن ملکوں میں وہ رہتے ہیں، وہاں کے حکومتی نظام کو بدلنے کی بھرپور کوشش کریں[2]۔

ہمارے معاشروں کو جاہلی اور غیر اسلامی معاشرہ کہنا۔ اور اس کے ذریعہ انہوں نے مسلم معاشرے کے لوگوں پر مرتد ہونے کا حکم لگانا آسان سمجھ لیا۔ درحقیقت صحیح اور حقیقی اسلام سے منہ پھیر کر الگ ہو جانا ہے۔ اس کی متعدد وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: اگر ہم بطور جدل فرض کر لیں کہ معاشرہ جاہلی ہے، تو ہم اس کے ساتھ کس طرح تعامل کریں؟ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کریں گے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے ابتدائی ایام جاہلی معاشرے میں گزارے، تو کیا آپ نے انقلاب لانے کی کوشش کی؟ یا حکومت پر قبضہ کیا؟ یا آپ نے توحید اور سنت کی نشر واشاعت کی اور لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلایا؟ قریش کے لوگوں نے آپ پر حکومت پیش کی تو آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، لیکن یہ خوارج فتنہ وفساد کو بھڑکاتے ہیں، تاکہ حکومت اور اقتدار پر قابض ہو جائیں۔

دوسری وجہ: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ جب تمام مومنوں کی روحیں آندھی کے ذریعہ قبض کر لی جائیں گی تو اس کے بعد باقی لوگ جاہلیت کی طرف لوٹ جائیں گے، اس سے پہلے نہیں (یعنی خروج دجال کے وقت)۔

---

1 في ظلال القرآن (1125/2).

2 في ظلال القرآن (1451/3).

تیسری وجہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لا هجرة بعد الفتح»[1] فتح (فتح مکہ) کے بعد ہجرت نہیں ہے۔

یعنی فتح کے بعد مکہ دار الاسلام ہو گیا، اس سے اب کبھی بھی ہجرت نہیں کی جائے گی، اور یہ ان کے اس قول کو باطل کر دیتا ہے کہ آج روئے زمین پر کوئی مسلم معاشرہ موجود نہیں ہے۔

اہل سنت کے نزدیک دار الاسلام ہونے کا ضابطہ کیا ہے؟

اسماعیلی رحمہ اللہ اہل سنت کے عقیدہ کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ لوگ ملک کو اس وقت تک دار الاسلام سمجھتے ہیں، دار الکفر نہیں، جب تک اس میں نماز اور اقامت علانیہ طور پر ہوتی رہے، اور مسلمان بلاخوف اس کو انجام دینے پر قادر رہیں[2]۔

یعنی اہل سنت ملک کو اس وقت تک اسلامی ملک سمجھتے ہیں جب تک اس میں مسجدیں آباد ہوں، اذان کی آواز بلند ہوتی ہو اور نماز قائم کی جاتی ہو، اگرچہ اس میں گناہ و معاصی ظاہر ہوں، تو ایسا ملک دار الاسلام ہے، وہاں کے لوگوں سے جنگ نہیں کی جائے گی، اور ان کے محارم کو حلال نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی، اور ان کو اچھے طریقے سے نصیحت کی جائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدترین حکام کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔ "شرار أئمتكم الذين تبغضونهم ويبغضونكم، وتلعنونهم ويلعنونكم، قيل: يا رسول الله أفلا ننابذهم بالسيف؟ فقال: "لا ما أقاموا فيكم الصلاة، وإذا رأيتم من ولاتكم شيئا تكرهونه فاكرهوا عمله، ولا تنزعوا يدا من طاعة" تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں، جن سے تم دشمنی رکھتے ہو، اور وہ تم سے دشمنی رکھتے ہیں، تم ان پر لعنت کرتے ہو، اور وہ تم پر لعنت کرتے ہیں، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا ہم ان کی بیعت توڑ کر ان کے خلاف تلوار سے بغاوت نہ کریں؟ آپ نے فرمایا، نہیں، جب تک وہ تمہارے اندر نماز قائم کرتے رہیں، اور جب تم اپنے حکمرانوں میں کوئی ایسی چیز دیکھو جس کو تم ناپسند کرتے ہو، تو صرف اس کے عمل کو برا سمجھو، اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو۔

---

[1] اس کو بخاری (2783) اور مسلم (1353) نے روایت کیا ہے۔

[2] اعتقاد أئمة الحديث (ص 76)

اور ایک روایت میں ہے: "ألا من وَلِيَ عليه وَالٍ فَرَآهُ يأتي شيئا من مَعْصِيَةِ اللهِ فَلْيَكْرَهْ ما يأتي من معصيه الله ولا ينزعن يدا من طاعة"[1] سن لو، جس پر کوئی حاکم مقرر کیا جائے، اور وہ اس کو اللہ کی نافرمانی کرتے دیکھے، تو وہ اس نافرمانی کو برا سمجھے، اور حاکم کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔

لہذا جب تک کسی ملک میں کھلے عام نماز قائم ہوتی رہے گی وہ دار الاسلام ہے، اس کے حاکم سے اختلاف نہیں کیا جائے گا، اور نہ اس کی اطاعت سے خروج کیا جائے گا، چاہے وہ دینی لحاظ سے جیسا بھی ہو، اور لوگوں کے ساتھ وہ جو بھی معاملہ کرے، جب تک وہ مسلمان ہے، اور اس کے اوپر اسلام کا نام ہوتی ہے۔

---

[1] اس کو مسلم (1855) نے روایت کیا ہے۔

10. تکفیر اور خونریزی کی جرأت کرنا:

یہ حق سے خروج کرنے کی قسموں میں سے ایک قسم ہے، اور یہ خوارج کی نمایاں صفت ہے۔

ابن عبد البر رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: خوارج وہ لوگ ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کی تاویل کر کے مسلمانوں کے خون کو حلال کیا، انہیں گناہوں کے سبب کافر قرار دیا، ان کے خلاف تلوار اٹھائی اور ان کی جماعت کی مخالفت کی[1]۔

اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان لوگوں کی گمراہی کی بنیاد ائمہ ہدی اور مسلمانوں کی جماعت کے متعلق ان کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ لوگ عدل وانصاف سے خروج کرنے والے اور گمراہ ہیں... پھر یہ خوارج جس چیز کو ظلم سمجھتے ہیں، اسے کفر شمار کرتے ہیں، پھر اس کفر پر ایسے احکام مرتب کرتے ہیں جن کو انہوں نے خود ایجاد کیا ہے۔

خوارج اور مسلمانوں کی جماعت کے درمیان دوسرا فرق یہ ہے کہ خوارج گناہوں اور برائیوں کے سبب مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں، اور گناہوں کے سبب تکفیر کرنے کے نتیجے میں وہ مسلمانوں کے خون اور ان کے مال کو حلال قرار دیتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ دار الاسلام، دار الحرب ہے، اور ان کا ملک ہی دار الایمان ہے[2]۔

نیز ان کے متعلق آپ فرماتے ہیں: یہ مسلمانوں کے لیے غیر مسلموں سے بھی زیادہ برے ہیں، کیونکہ مسلمانوں کے حق میں ان سے برا کوئی نہیں تھا، نہ یہود اور نہ نصاریٰ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ ہر اس مسلمان کو قتل کرنے کی کوشش کرتے تھے، جو ان کے عقائد و آراء سے متفق نہیں ہوتا تھا، یہ مسلمانوں کی جان ومال اور ان کے بچوں کے قتل کو حلال سمجھتے تھے، ان کی تکفیر کرتے تھے، اور اپنی جہالت اور گمراہ کن بدعت کی بنا پر یہ سب کچھ دین سمجھ کر کرتے تھے[3]۔

---

[1] الاستذكار (499/2)

[2] مجموع الفتاوى (497/28 و 73/19)

[3] منهاج السنة (248.5).

خوارج مسلمانوں کی تکفیر کرنے، ان پر مرتد ہو جانے کا حکم لگانے، اور ان کے خون بہانے کی عجیب جرأت کرتے ہیں۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے اپنے زمانے کے سادات واکابر کو بھی کافر قرار دیا تھا۔ مصعب بن سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ سعد رضی اللہ عنہ خوارج میں سے ایک شخص کے پاس سے گزرے تو اس خارجی نے کہا، یہ کفر کے حکام میں سے ہیں، یہ سن کر سعد رضی اللہ عنہ نے کہا، تم نے جھوٹ کہا، بلکہ میں نے تو کفر کے حکمرانوں سے جنگ کی ہے[1]۔

بلکہ ان خوارج نے تو بچوں اور عورتوں کو بھی نہیں چھوڑا، ان کی تاریخ میں بہت سے قبیح واقعات ہیں، تاریخ طبری میں ہے:

وہ خارجی جماعت (حروریہ) جو بصرہ سے آئی اور دریا کے پاس آکر اپنے خارجی بھائیوں سے مل گئی تھی، ان میں سے ایک جماعت نکلی تو دیکھا کہ ایک آدمی ایک عورت کو گدھے پر لے جارہا تھا، یہ لوگ دریا پار کر کے اس کے پاس گئے، اور اس کو بلا کر دھمکی دی اور ڈرایا، اور پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا، میں صحابی رسول عبداللہ بن خباب ہوں، پھر وہ اپنا کپڑا زمین سے اٹھانے کے لیے جھکے، جو ان لوگوں کے ڈرانے کی وجہ سے ان کے اوپر سے گر گیا تھا، تو انہوں نے کہا، کیا ہم نے تم کو ڈرایا اور خوف دلایا؟ عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ نے کہا، ہاں، تو انہوں نے کہا کہ تم پر کوئی خوف نہیں ہے، تم ہم سے اپنے والد کے واسطے سے کوئی ایسی حدیث بیان کرو جس کو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو، شاید اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے لیے نفع بخش بنائے، تو انہوں نے ان سے فتنوں سے متعلق ایک حدیث بیان کی، یہ سن کر انہوں نے کہا، اسی حدیث کے لیے ہم نے تم سے سوال کیا تھا، اچھا، تم ابو بکر اور عمر کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو انہوں نے ان کی بہترین تعریف کی، ان لوگوں نے پوچھا، خلافت کے ابتدائی اور آخری ایام میں عثمان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا، وہ اپنی خلافت کے ابتدائی دنوں میں بھی حق پر تھے اور آخری دنوں میں بھی۔ ان لوگوں نے پھر پوچھا، تحکیم سے پہلے اور اس کے بعد علی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا، وہ تم سے زیادہ اللہ کو جاننے والے، اپنے دین کی حفاظت کرنے والے اور زیادہ بصیرت (سوجھ بوجھ) والے ہیں۔ اس پر ان لوگوں نے کہا کہ تم خواہشات کی اتباع کرتے ہو،

---

1 تفسیر ابن کثیر (116/4) اور ابن کثیر نے اس کو ابن مردویہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

اور لوگوں سے ان کے نام کی بناپر دوستی ووفاداری کرتے ہو، ان کے افعال کی بناپر نہیں، اللہ کی قسم ہم تم کو اس طرح قتل کریں گے، جس طرح ہم نے کسی کو قتل نہیں کیا، پھر ان کو پکڑ کران کے ہاتھوں کو کندھوں کے پیچھے باندھ دیا، اس کے بعد ان کو اور ان کی حاملہ بیوی۔ جس کے حمل کی مدت پوری ہو چکی تھی۔ کو لے کرایک تازہ پھل والے کھجور کے درخت کے پاس آئے، اس درخت سے ایک تازہ کھجور گری تو ان میں سے ایک شخص نے اسے اٹھاکر اپنے منہ میں ڈال لی، اس پر ایک دوسرے شخص نے کہا، بغیر حلال کیے اور بغیر قیمت ادا کیے (تم نے اس کو منہ میں ڈال لیا) تو اس نے وہ کھجور اپنے منہ سے نکال کر پھینک دی، پھر اپنی تلوار پکڑلی، اس وقت اس کے پاس سے اہل ذمہ کی ایک خنزیر (سور) گزری، تو اپنی تلوار سے اس کو قتل کر دیا، اس کے ساتھی نے کہا، کسی جانور کو بلاوجہ قتل کرنا زمین کے اندر فساد پھیلانا ہے۔ اس کے بعد خنزیر کا مالک آیا تو اس کو اس کی خنزیر کے معاملے میں راضی کر لیا۔

اس ورع وتقوی کو دیکھیں (کہ سور جیسے جانور کے قتل کو فساد فی الارض کہہ رہے ہیں) پھر اس بڑی جہالت کو ملاحظہ کریں۔

جب عبد اللہ بن خباب رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ سب کرتے ہوئے دیکھا تو کہا، اگر تم لوگ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، اس میں سچے ہو تو تمہاری طرف سے مجھ پر کوئی حرج وخوف نہیں، میں ایک مسلمان ہوں، میں نے اسلام کے اندر کوئی نئی چیز ایجاد نہیں کی، اور تم نے مجھ کو امان دی ہے، تم لوگوں نے کہا ہے کہ تم پر (یعنی مجھ پر) کوئی ڈر اور خوف نہیں ہے، انہوں نے ان کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی، اور ان کو پہلو کے بل پر لٹا کر ذبح کر دیا، اور ان کا خون پانی میں بہہ گیا، اس کے بعد عورت کی طرف متوجہ ہوئے، تو اس نے کہا، میں ایک عورت ہوں، کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ لیکن اس کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، اور انہوں نے اس کا پیٹ پھاڑ دیا[1]۔

اور تاریخ طبری ہی میں ہے: خوارج زبیر بن الماحوز کی قیادت میں اہواز آئے، تو ان کے پاس ان کے جاسوس (یہ پیغام لے کر) آئے کہ عمر بن عبید اللہ ان کا (خوارج کا) تعاقب کر رہے ہیں، اور مصعب بن زبیر ان کے پاس پہونچنے کے لیے بصرہ سے نکل چکے ہیں، یہ سن کر زبیر ان کے درمیان کھڑا ہوا،

---

[1] تاريخ الطبري (82/5).

اور اللہ تعالی کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد کہا، ان دونوں کانٹوں کے درمیان تمہارا پھنسنا بلا شبہ بری رائے اور حیرانی کے بات ہے، ہم دشمن کی طرف بڑھیں، اور ایک جانب سے ہی ان کا سامنا کریں، اس کے بعد وہ ان کو لے کر چلا یہاں تک کہ "جوخی" کا علاقہ پار کیا، پھر نہروانات اور دجلہ کے ساحل سے گزر کر مدائن پہونچا، مدائن میں کردم بن مرثد بن نجبہ الفزاری کی حکومت تھی، ان لوگوں نے اہل مدائن پر حملہ کر دیا، اور بچوں، عورتوں اور مردوں کو قتل کر دیا، اور حاملہ عورتوں کا پیٹ پھاڑ دیا، اس کے بعد کردم وہاں سے بھاگ گیا، تو انہوں نے ساباط کا رخ کیا اور وہاں لوگوں سے قتال کیا، انہوں نے ربیعہ بن ماجد کی ام ولد کو قتل کیا، اور ابو یزید بن عاصم الازدی کی بیٹی بنانہ کو قتل کیا، جو قرآن پڑھے ہوئے تھی اور خوبصورت ترین عورتوں میں سے تھی۔ جب ان لوگوں نے تلوار سے اس کو گھیر لیا تو اس نے کہا، تمہاری ہلاکت وبربادی ہو، کیا تم نے کبھی سنا ہے کہ مرد عورتوں کو قتل کرتے ہیں، تمہاری ہلاکت وبربادی ہو، تم ان کو قتل کر رہے ہو جو تمہارے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتیں، تمہیں نقصان نہیں پہونچا سکتیں، اور نہ اپنے آپ کو فائدہ پہونچانے کی مالک ہیں، کیا تم ان کو قتل کرتے ہو، جو زیورات میں پلتی ہیں، اور جھگڑے میں اپنی بات واضح نہیں کر سکتی ہیں؟ ان میں سے بعض نے کہا کہ اس کو قتل کر دو، دوسرے شخص نے کہا، کاش تم اس کو چھوڑ دیتے، اس کی بات سن کر ان میں سے ایک اور شخص نے کہا کہ اے اللہ کے دشمن! تم کو اس کی خوبصورتی پسند آگئی ہے، اس نے کفر کیا ہے اور فتنہ میں پڑی ہوئی ہے، تو دوسرا شخص جس نے اس عورت کو چھوڑنے کی سفارش کی تھی، ان خوارج کو چھوڑ کر چلا گیا، اور ہمارا خیال ہے کہ وہ ان کی جماعت سے الگ ہو گیا، اس کے بعد ان لوگوں نے بنانہ پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا، یہ دیکھ کر ریطہ بنت یزید نے کہا، سبحان اللہ، کیا تم سمجھتے ہو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ تعالی اس سے راضی ہو جائے گا۔ تم عورتوں، بچوں اور اس کو قتل کر رہے ہو، جس نے تمہارے حق میں کوئی گناہ نہیں کیا، اور جب وہ واپس ہونے لگی تو ان لوگوں نے اس پر حمد کر دیا، حملہ کے وقت اس کے سامنے اس کے اخیافی بھائی کی بیٹی رواع بنت ایاس بن شریح الہمدانی تھی، انہوں نے اس پر بھی حمد کر دیا، اور اس کے سر پر تلوار مار کر اسے بھی قتل کر دیا[1]۔

---

[1] تاريخ الطبري (121/6).

اور ابن الاثیر کی روایت میں ہے: خوارج نے ایک آدمی کو پکڑا، جس کا نام سماک بن یزید تھا، اس کے ساتھ اس کی ایک بیٹی تھی، ان لوگوں نے اس کو بھی پکڑا تاکہ اسے قتل کردیں، تو اس نے کہا: اے اہل اسلام! میرے والد زخمی ہیں، تم ان کو قتل مت کرو، اور جہاں تک میری بات ہے تو میں ایک لڑکی ہوں، اللہ کی قسم میں نے کبھی کوئی بدکاری نہیں کی، نہ کبھی اپنی پڑوسن کو تکلیف پہونچائی، اور نہ کبھی تاک جھانک کی۔ جب انہوں نے اس کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ مردہ ہو کر یا بے ہوش ہو کر گرپڑی، اس کے باوجود انہوں نے تلوار سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے۔ ابو ریح کہتے ہیں کہ ہم سے اس حدیث کو اس لڑکی کی ایک نصرانی دودھ پلانے والی عورت نے جو کہ اہل خورنق میں سے تھی (خَورنَق مراکش کا ایک شہر ہے، نیز یہ بلخ سے نصف فرسخ کے فاصلے پر ایک گاؤں بھی ہے) بیان کیا۔ جس وقت اس کو قتل کیا گیا وہ اس کے ساتھ تھی۔ سماک ان کے ساتھ ساتھ رہے، یہاں تک کہ وہ دریائے صراۃ کے کنارے پہونچ گئے تو سماک اہل کوفہ کے سامنے ہوئے اور ان کو پکار کر کہا کہ دریا پار کرکے اس طرف آجاؤ، کیونکہ یہ (خوارج) تھوڑے ہیں مگر خبیث ہیں، تو انہوں نے ان کی گردن ماردی اور انہیں سولی پر لٹکادیا[1]۔

وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اسلام کے ابتدائی زمانہ کو پایا... اگر اللہ تعالیٰ خوارج کو غلبہ دیتا اور ان کے مذہب کو فروغ ملتا، تو زمین میں فساد برپا ہوجاتا، راستے کاٹ دیے جاتے، اور بیت اللہ کا حج ختم کردیا جاتا، پھر اسلام کا معاملہ جاہلیت کی طرف لوٹ جاتا، اور لوگ پہاڑ کی چوٹیوں سے مدد طلب کرتے، جیسے زمانہ جاہلیت میں لوگ کرتے تھے، اور اس وقت دس یا بیس سے زیادہ آدمی اٹھ کھڑے ہوتے، اور ان میں سے ہر شخص اپنے لیے خلافت کی دعوت دیتا، اور ہر ایک کے ساتھ دس ہزار سے زیادہ لوگ ہوتے، جو ایک دوسرے سے جنگ کرتے، اور ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے، یہاں تک کہ مومن آدمی اپنی جان، اپنے دین، اپنے خون، اپنے اہل وعیال، اور مال کے سلسلے میں خوف زدہ رہتا، اسے پتہ نہیں چلتا کہ کہاں جائے، اور کس کے ساتھ رہے۔[2]

---

1 الكامل في التاريخ (3/344)

2 سير أعلام النبلاء (554/4)

مہلب جب ازرقی خوارج (خوارج کا وہ گروہ جو نافع بن الازرق کے ساتھی تھے اور مخالفین کو قتل کرنا اور ان کی عورتوں کو قید کرنا جائز سمجھتے تھے) سے جنگ کے لیے روانہ ہونے لگے تو اپنی فوج کو خطاب کیا اور فرمایا: اے لوگو! تم نے ان خوارج کے مذہب کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے، اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ اگر وہ تم پر قادر ہو جائیں تو تمہارے دین کے معاملے میں تم کو فتنہ میں ڈال دیں گے اور تمہارا خون بہائیں گے...[1]۔

ابن کثیر رحمہ اللہ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے خوارج کے ساتھ جنگ کرنے کا فیصلہ کرنے، اور اہل شام سے جنگ کو ترک کرنے کے متعلق فرماتے ہیں: سب لوگوں نے اس رائے و فیصلہ سے اتفاق کیا، اس میں ان کے لیے اور اہل شام کے لیے بھی بہت زیادہ خیر و بھلائی تھی۔ کیونکہ اگر یہ خوارج مضبوط و طاقتور ہو جاتے تو عراق اور شام کے تمام علاقوں میں فتنہ و فساد برپا کرتے، نہ بچوں کو چھوڑتے اور نہ مرد و عورت کو، اس لیے کہ ان کے زعم کے مطابق لوگ اتنے خراب اور فاسد ہو چکے ہیں کہ ان کی اصلاح سوائے اجتماعی قتل کے کسی دوسری چیز سے نہیں ہو سکتی[2]۔

بلکہ اسی وجہ سے وہ مساجد کی حرمت کو پامال کرتے تھے، اور ان میں خیانت اور قتل و غارت گری کی جرأت کرتے تھے، بدبخت ابن ملجم سے بڑا کوئی مجرم نہیں، جب اس نے رمضان کے مہینے میں جمعہ کے دن نماز فجر میں علی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی جرأت کی، جس وقت وہ روزہ کی حالت میں مسجد میں تھے۔ اس قصہ میں بہت سی عبرتیں ہیں، اور رازداری، معاملات کو ایک دوسرے سے چھپانے، اور قتل وغیرہ کی سازش کرنے میں خوارج کے منہج و طریقے کا بیان ہے۔

اسماعیل بن راشد سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: عبدالرحمن بن ملجم اور اس کے ساتھیوں کا یہ واقعہ ہے کہ ابن ملجم، بُرَک بن عبداللہ التمیمی اور عمرو بن بکر التمیمی اکٹھا ہوئے اور لوگوں کے امور و معاملات کے بارے میں گفتگو کی، اور ان کے حکمرانوں کی برائی کی۔ پھر انہوں نے نہروان والے اپنے ہم عقیدہ بھائیوں کا ذکر کیا (جو وہاں مارے گئے تھے) ان کے لیے رحمت کی دعاء کی اور کہا، ان کے بعد زندہ رہ کر ہم

---

[1] جمهرة خطب العرب (448/2).

[2] البداية والنهاية (585/10).

کیا کریں گے؟ وہ بہترین لوگ تھے، سب سے زیادہ نماز پڑھنے والے اور لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلانے والے تھے، اللہ تعالی کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے، کاش ہم اپنے کو وقف کردیتے اور گمراہ حکمرانوں کے پاس جا کر ان کو قتل کر کے ملک کو ان سے چھٹکارا دلاتے، اور اپنے بھائیوں کے خون کا بدلہ لیتے۔ اس باہمی گفتگو کے اختتام پر ابن ملجم نے کہا کہ میں علی بن ابی طالب (کو قتل کرنے) کے لیے کافی ہوں، بُرَک بن عبداللہ نے کہا کہ میں معاویہ بن ابی سفیان (کے قتل) کے لیے کافی ہوں، اور عمرو بن بکر نے کہا کہ میں عمرو بن عاص (کے قتل) کے لیے کافی ہوں۔ انہوں نے آپس میں یہ عہد وپیمان کیا کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے نامزد دشمن سے پیچھے نہیں ہٹے گا یہاں تک کہ اسے قتل کردے، یا اس کے سامنے مر جائے، چنانچہ انہوں نے اپنی اپنی تلواریں اٹھائیں، ان کو زہر آلود کیا، اور سترہ رمضان کی تاریخ مقرر کی کہ اس دن ان میں سے ہر ایک اپنے دشمن پر اسی شہر میں شب خون مارے، جس میں وہ دشمن ہے۔ اس منصوبہ بندی کے بعد عبدالرحمن بن ملجم کوفہ پہونچا، اور اپنے مقصد کو کوفہ میں موجود اپنے ساتھیوں سے بھی چھپایا۔ جس وقت وہ قبیلہ بنی تیم الرباب کی ایک قوم کے درمیان بیٹھا تھا، جو جنگ نہروان میں مارے گئے اپنے لوگوں کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ اسی اثناء میں قطام بن شجنہ نامی ان کی ایک عورت آئی، جس کے والد اور بھائی کو علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، وہ عورت حسن وجمال کا پیکر تھی، اور اپنی خوبصورتی کی بنا پر مشہور تھی، اور لوگوں سے الگ ہو کر جامع مسجد میں بیٹھ کر عبادت میں مشغول رہتی تھی، جب ابن ملجم نے اس کے حسن وجمال کو دیکھا تو اس کی عقل سلب ہو گئی، اور وہ اپنے اس مقصد کو بھول بیٹھا جس کے لیے وہ آیا تھا، اس نے اس عورت کو شادی کا پیغام دیا، اس نے اس کے ساتھ شادی کرنے کے لیے یہ شرط لگائی کہ وہ اسے تین ہزار درہم، ایک غلام اور ایک لونڈی دے، اور اس کی خاطر وہ علی بن ابی طالب کو قتل کرے۔ ابن ملجم نے کہا، مجھے شرط منظور ہے، یہ سب تمہارے لیے حاضر ہے، اللہ کی قسم، میں تو اس شہر میں صرف علی کو قتل کرنے کے لیے ہی آیا ہوں، پھر اس نے اس سے شادی کی، اور اس کے ساتھ خلوت کی، اس کے بعد اس عورت نے اسے علی

کے قتل کی رغبت دلانا شروع کر دیا[1]۔ اور اپنی قوم تیم الرباب کے ایک شخص کو جس کا نام وردان تھا، ابن ملجم کی مدد کے لیے دیا، اور ابن ملجم نے ایک دوسرے شخص کو جس کا نام شبیب بن بجرہ الاشجعی تھا، اپنی طرف مائل کر لیا، ابن ملجم نے اس سے کہا کیا تم دنیا اور آخرت کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہو؟ اس نے پوچھا کس طرح؟ ابن ملجم نے کہا، علی کا قتل کر کے، اس نے کہا تم نے تو بہت سخت اور مشکل کام کا ارادہ کیا ہے، تم یہ کام کیسے کر سکوگے؟ ابن ملجم نے کہا، میں ان کے لیے مسجد میں چھپا رہوں گا، جب وہ صبح کی نماز کے لیے آئیں گے تو ہم ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیں گے۔ اگر ہم بچ گئے تو ہم نے اپنی پیاس بجھالی، اور اپنا انتقام لے لیا، اور اگر قتل ہو گئے تو جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دنیا سے بہتر ہے، اس نے کہا تمہاری ہلاکت و بربادی ہو، اگر علی کے علاوہ کسی اور کو قتل کرنا ہوتا، تو وہ میرے لیے آسان ہوتا، اسلام میں ان کی اولیت و برتری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قرابت مجھے معلوم ہے، اس بنا پر میں ان کے قتل کے لیے اپنے اندر انشراح صدر اور اطمینان نہیں پاتا ہوں، ابن ملجم نے کہا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے اہل نہروان کو قتل کیا ہے؟ شبیب نے کہا یقیناً معلوم ہے، ابن ملجم نے کہا، ہم ان کو اپنے بھائیوں کے بدلے میں قتل کریں گے، تھوڑی سی پس و پیش کے بعد اس نے اس کی بات مان لی۔ جب رمضان کا مہینہ شروع ہو گیا تو ابن ملجم نے منصوبے پر عمل کرنے کے لیے وردان اور شبیب کے سامنے سترہ رمضان، جمعہ کی رات مقرر کی، اور کہا یہ وہ رات ہے جس کا میں نے اپنے ساتھیوں سے وعدہ کیا ہے، اس رات ہم میں سے ہر ایک اپنے نامزد دشمن کو قتل کرے گا، جس کو قتل کرنے کے لیے وہ گیا ہے، پھر وہ سب ابن ملجم کی بیوی قطام کے پاس آئے جو مسجد میں تھی، اس نے ان کو ریشم کی پٹی باندھی، پھر یہ تینوں ابن ملجم، وردان اور شبیب اپنی تلواروں کو چھپائے ہوئے آئے اور اس دروازے کے سامنے بیٹھ گئے جس سے علی رضی اللہ عنہ نکلتے تھے، جب وہ آئے تو الصلاۃ الصلاۃ کہہ کر نماز کے لیے لوگوں کو نیند سے اٹھانے

---

[1] البدایہ والنہایہ (11 17) میں ہے۔ جب ابن ملجم نے اس عورت کے ساتھ خلوت کرنی چاہی تو اس نے کہا، میں نے تمہاری ضرورت پوری کر دی، اب تم میری ضرورت پوری کرو۔ تاریخ کے دور میں مردوں پر اس عورتوں کی بے حد تاثیر رہی ہے، جو خوارج کا مذہب اپنا چکی تھیں۔

عمران بن حطان خارجی، پہلے اہل سنت والجماعت میں سے تھا، اس نے خوارج کی ایک بے حد خوبصورت عورت سے شادی کی اور اس سے حد درجہ محبت کی، یہ شخص بد ذات خود بد صورت تھا، اس نے ارادہ کیا کہ عورت کو سنت کی طرف واپس لائے، لیکن اس نے انکار کر دیا، تو اس کے حسن و جمال پر فریفتہ اس شخص نے خود اس کے مذہب کو اختیار کر لیا۔ البدایہ والنہایہ (12 352)

لگے، اسی وقت شبیب نے تلوار سے ان پر حملہ کیا، اور وہ محراب میں گر گئے، اس کے بعد ابن ملجم نے ان کے سر کے ایک طرف تلوار سے حملہ کیا، جس سے ان کا خون ان کی داڑھی پر بہنے لگا، ابن ملجم نے جب ان کو مارا تو کہا، حکم صرف اللہ کا ہے، اے علی! تمہارا اور تمہارے ساتھیوں کا نہیں، اور یہ آیت تلاوت کرنے لگا: { ومن الناس من يشري نفسه ابتغاء مرضات الله والله رءوف بالعباد } [بقرہ: 207] اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو اللہ تعالی کی رضا کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں، اور اللہ تعالی اپنے بندوں پر بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے زور سے آواز دی، اسے پکڑو، وردان بھاگ گیا اس کو حضر موت کے ایک شخص نے پکڑ کر قتل کر دیا، اور شبیب لوگوں سے بچ کر نکل گیا اور نجات پائی، اور ابن ملجم پکڑ لیا گیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب کو آگے بڑھایا اور انہوں نے لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی، علی رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر ان کے گھر میں لایا گیا، اور ملعون ابن ملجم کو لا کر ان کے سامنے اس حال میں کھڑا کیا گیا کہ اس کے ہاتھ کندھوں کے پیچھے بندھے ہوئے تھے، علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا اے اللہ کے دشمن! کیا میں نے تم پر احسان نہیں کیا تھا؟ اس نے کہا، بالکل کیا تھا، علی رضی اللہ عنہ نے کہا پھر کس وجہ سے تم نے یہ جرم کیا؟ اس نے کہا میں نے اس (تلوار) کو چالیس دن تک تیز کیا اور اللہ سے دعاء کی کہ وہ اس کے ذریعہ اپنی بدترین مخلوق کو قتل کرے، علی رضی اللہ عنہ نے کہا، میں سمجھتا ہوں کہ تم ہی اس تلوار سے قتل کیے جاؤ گے، اور میرا خیال ہے کہ تم ہی اس کی بدترین مخلوق میں سے ہو، پھر علی رضی اللہ عنہ نے کہا، اس کو کھلاؤ، پلاؤ اور اسے قید میں اچھی طرح رکھو۔ اگر میں وفات پا گیا تو تم اس کو قتل کر دینا، مگر مثلہ نہ کرنا اور اگر میں زندہ رہا تو مجھے معلوم ہے کہ میں اس کے ساتھ کیسا سلوک کروں گا[1]۔

علی رضی اللہ عنہ دو دن بعد زخموں کی تاب نہ لا کر وفات پا گئے۔

ہر زمانے میں قتل و غارتگری اور فتنہ و فساد برپا کرنے میں خوارج کا یہی حال رہا ہے، ملک کو ان سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ وہ لوگوں کو ڈراتے دھمکاتے ہیں، ان کو قتل اور ذبح کرتے ہیں، ملک سے نکالتے ہیں، ان کو مغلوب کرتے ہیں اور انہیں تباہ و برباد کرتے ہیں، وہ ملک میں فتنہ و فساد

---

[1] تاریخ الطبری (5/144، 145)، البداية والنهاية (11/13-15).

بھڑکاتے ہیں اور اس کو آزمائشوں کے حوالے کرتے ہیں، وہ جاہلوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور انہیں میٹھی باتوں کے ذریعہ فتنہ میں ڈالتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور اس سال بنی امرئ القیس کا ایک شخص صالح بن مسرح حرکت میں آیا جو صُفریہ کے عقیدے کا قائل تھا، اور کہا گیا ہے کہ وہ فرقہ صُفریہ کا پہلا شخص تھا جس نے خروج و بغاوت کی راہ اختیار کی، جس کا سبب یہ تھا کہ اس نے اسی سال لوگوں کے ساتھ حج کیا، اس کے ساتھ شبیب بن یزید، بطین اور انہیں جیسے خوارج کے سردار بھی تھے۔ اتفاق سے امیر المؤمنین عبدالملک نے بھی اسی سال حج کیا۔ شبیب نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور یہ خبر عبدالملک کو پہونچ گئی، انہوں نے حج سے واپس آکر حجاج کو خط لکھا کہ وہ ان کو تلاش کرے۔ صالح بن مسرح اکثر و بیشتر کوفہ جاتا رہتا تھا، اور وہاں قیام کرتا تھا، دارا اور موصل والوں میں اس کی ایک جماعت تھی جس کو وہ قرآن و فقہ کی تعلیم دیتا تھا اور قصے و حکایات سناتا تھا۔ وہ طائفہ صُفریہ سے تعلق رکھتا تھا اور بہت زیادہ عبادت گزار تھا، جب وہ قصے سناتا تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا، پھر دنیا سے بے رغبتی اور آخرت میں رغبت کا حکم دیتا، اور موت کو یاد کرنے کی ترغیب دیتا۔ پھر شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لیے رحمت کی دعاء کرتا اور ان کی خوب تعریف کرتا، لیکن اس کے بعد جب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتا تو ان کو برا بھلا کہتا، اور ان پر وہی الزام لگاتا جو ملک کے فاسق و فاجر لوگ لگاتے تھے، جنہوں نے ان کے خلاف بغاوت کی اور انہیں قتل کیا، پھر اپنے ساتھیوں کو ترغیب دیتا کہ وہ بھلائی کا حکم دینے اور لوگوں میں پھیلی ہوئی برائی کو روکنے کے لیے خوارج کے ساتھ مل کر بغاوت کریں، وہ ان پر قتل کو آسان بنا کر پیش کرتا، امور دنیا کی مذمت کرتا اور ان کو حقیر قرار دیتا۔ اس کے نتیجے میں لوگوں کی ایک جماعت اس کے پاس اکٹھا ہو گئی[1]۔

یہی وہ خوارج ہیں، جنہوں نے حج کے دوران امیر المؤمنین کے قتل کا ارادہ کیا تھا، انہوں نے نہ مکان (مکہ) کی حرمت کا پاس و لحاظ کیا، اور نہ زمان (حرمت والے مہینے) کا، جب کہ جاہلیت کے لوگوں تک کا یہ حال تھا کہ ان کا کوئی شخص اپنے باپ کے قاتل کو بھی حرمت والے مہینے میں پاتا تو اس سے چھیڑ

---

[1] البداية والنهاية (12/251-252)

چھوڑ نہیں کرتا تھا، نیز یہ خوارج بزعم خود شہروں میں دین اور فقہ کی تعلیم دینے کے لیے جاتے تھے، اور خصوصی محفلوں میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اکٹھا ہوتے تھے، اپنے شبہات پھیلاتے تھے، اور اپنے ساتھیوں کو خروج وبغاوت اور فتنہ وفساد پھیلانے کی ترغیب دیتے تھے۔

11. بدگمانی کرنا:

خوارج اپنے برے اعتقاد کی وجہ سے مسلمانوں سے بدگمانی رکھتے ہیں، ان کے امور ومعاملات کو سب سے بری چیز پر محمول کرتے ہیں، اور کسی بھی ایسے مسلمان پر اعتماد وبھروسہ نہیں کرتے جو ان کے مذہب پر نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس سے دشمنی رکھتے ہیں، اور اسے ایذاء وتکلیف پہونچانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ چیز ان کے سب سے پہلے شخص کے اندر ہی ظاہر ہوگئی تھی، جب اس نے مال کی تقسیم کے سسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمانی کی، اور آپ پر تہمت لگائی کہ اس تقسیم میں آپ کے پیش نظر اللہ کی رضا نہیں تھی، اس لیے عدل نہیں کیا۔ ان کی تاریخ میں اس کے شواہد میں سے ایک یہ ہے:

زیاد بن نضر الحارثی سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے چار سو آدمیوں کو بھیجا، جن کے امیر شریح بن ہانی الحارثی تھے، اور ان کے ساتھ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا جو ان کو نماز پڑھاتے تھے، اور ان کے امور ومعاملات کی نگرانی وسرپرستی کرتے تھے، ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔

اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو شام کے چار سو آدمیوں کے ساتھ بھیجا، یہاں تک کہ یہ لوگ اذرح شہر کے دومۃ الجندل نامی مقام پر آئے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس جب معاویہ رضی اللہ عنہ کا کوئی خط آتا تو سفیر آکر واپس چلا جاتا، لیکن اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا پیغام لایا ہے، اور کیا پیغام لے کر واپس گیا ہے، شام والے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں پوچھتے تھے، جب کہ عراق والوں کا حال یہ تھا کہ جب علی رضی اللہ عنہ کا سفیر آتا، تو وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آتے اور پوچھتے کہ امیر المؤمنین نے آپ کے پاس کیا لکھا ہے؟ اگر وہ ان سے چھپاتے تو وہ ان کے بارے میں طرح طرح کے گمان رکھتے، اور کہتے کہ ہمارا خیال ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ایسے ایسے لکھا ہوگا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے، کیا تمہیں عقل نہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا سفیر آتا ہے، لیکن کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا پیغام لایا ہے، اور اس سلسلے میں لوگوں کی کوئی چیخ وپکار سننے کو نہیں ملتی، اور تم لوگ ہو کہ روزانہ میرے بارے میں طرح طرح کے گمان کرتے ہو[1]۔

---

[1] تاريخ الطبري (67/5)، والكامل (681/2)

بلکہ ان میں سے بعض لوگوں کی بدگمانی اس حد تک پہونچ گئی تھی کہ اگر کوئی ہجرت کر کے ان کے پاس آتا تو وہ اس کا امتحان لیتے، اس کے لیے وہ اپنے مخالفین اور ان کے بچوں میں سے جو ان کے پاس قید تھے، کوئی قیدی اس کے حوالے کر کے اس کو حکم دیتے کہ اسے قتل کرو، اگر وہ اس کو قتل کر دیتا تو وہ اس کے اس دعوی کی تصدیق کرتے کہ وہ ان خوارج میں سے ہی ہے، اور اگر وہ قتل نہیں کرتا تو کہتے کہ یہ منافق اور مشرک ہے، اور اس کو قتل کر دیتے۔

12. دعوت وغیرہ کے کاموں میں انتہائی رازداری برتنا، اور حکام کی نظروں سے دور رہنا:

اہل باطل کی صفت میں سے ایک صفت یہ ہے کہ وہ اپنے امور ومعاملات کو دوسروں سے پوشیدہ رکھتے ہیں، اور خفیہ اجتماعات منعقد کرتے ہیں، اور اہل حق کی صفات میں سے ہے کہ وہ اپنے امور ومعاملات کو چھپاتے نہیں ہیں، بلکہ ان کا سب کچھ ظاہر وعیاں رہتا ہے، پوشیدہ اور مخفی وہی رہتا ہے جو اہل باطل میں سے ہوتا ہے، وہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کے حالات ومعاملات کسی پر منکشف ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل حق جو کہ نجات پانے والے ہیں، کی صفت ان الفاظ میں بیان کی ہے: «علَى الحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَة»[1] وہ لوگ قیامت تک حق پر غالب رہیں گے۔

اسی طرح آپ نے رازداری برتنے سے خبردار کیا ہے، اور کھل کر اور علانیہ طور پر کام کرنے کا حکم دیا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے وصیت کر دیجیے، آپ نے فرمایا: «اعْبُدِ اللَّهَ ولا تُشْرِكْ به شَيْئًا، وأَقِمِ الصَّلاةَ، وآتِ الزَّكَاةَ، وصُمْ رمضانَ، وحُجَّ الْبَيْتَ، واعْتَمِرْ، وَاسْمَعْ وأَطِعْ، وعَلَيْكَ بالْعَلانِيَةِ، وإيَّاكَ والسِّرَّ»[2] اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکاۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، بیت اللہ کا حج کرو اور عمرہ کرو، (ولی امر) کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو، کھل کر اور علانیہ طور پر کام کرو اور رازدارانہ طریقہ اختیار کرنے سے بچو۔

اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: جب تم کسی قوم کو دیکھو کہ وہ عام لوگوں سے چھپا کر اپنے دین کے سلسلے میں کچھ خفیہ بات کر رہی ہے، تو جان لو کہ وہ گمراہی کی بنیاد ڈال رہی ہے[3]۔

---

1 اس کو مسلم (1923) نے روایت کیا ہے۔

2 اس کو طحاوی نے مشکل الآثار (2658)، حاکم (51/1) اور ابن ابی عاصم نے السنۃ (1070) میں روایت کیا ہے۔

3 اس کو لالکائی نے الاعتقاد (251) میں روایت کیا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے: جو قوم اپنے دین میں اپنی جماعت سے چھپا کر کوئی خفیہ بات کرتی ہے، تو وہ گمراہی کی بنیاد ڈالتی ہے[1]۔

کیونکہ شر وفساد اور گمراہی کی منصوبہ بندی اندھیروں میں ہی کی جاتی ہے۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حجاج کو لکھا کہ میرے لیے فتنہ کی منظر کشی اس طرح کرو، گویا میں اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، تو حجاج نے جواب میں لکھا کہ اگر میں شاعر ہوتا تو اپنے شعر میں اس کا نقشہ کھینچتا، لیکن جس حد تک میرے پاس علم ہے، اس کے مطابق میں فتنہ کو دو جملوں میں بیان کرتا ہوں، فتنہ ایسی چیز ہے، جس کو سرگوشی کا انجکشن دیا جاتا ہے اور اس کی پیداوار شکوہ وشکایت سے ہوتی ہے[2]۔

---

[1] اس کو احمد نے الزہد (1687) میں روایت کیا ہے۔

[2] الآداب الشرعية لابن مفلح (201/1)

13. محکم کو چھوڑ کر متشابہ دلائل اختیار کرنا، اور بہت زیادہ لڑائی جھگڑا کرنا

محکم کو چھوڑ کر متشابہ سے دلیل پکڑنا، نفس پرستی کے استحکام کی علامت ہے، اور بہت زیادہ لڑائی جھگڑا کرنا، غرور وتکبر اور جہالت کے استحکام کی علامت ہے، شریعت میں محکم پر ایمان لانے اور متشابہ کے علم کو اس کے عالم یعنی اللہ تعالی کی طرف لوٹانے کا حکم ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دین میں وہی شخص مامون ومحفوظ رہا، جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، اور جس چیز میں اس کو شبہ تھا، اس کو اس کے عالم یعنی اللہ تعالی کی طرف لوٹا دیا[1]۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: {هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ، فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ، وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ، وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا، وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ} [آل عمران: 7] وہی اللہ تعالی ہے، جس نے تم پر کتاب اتاری، جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں، جو اصل کتاب ہیں، اور بعض متشابہ آیتیں ہیں، تو جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں، فتنے کی طلب اور اس کی تاویل کی جستجو کے لیے، حالانکہ اس کی حقیقی تاویل کو اللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور پختہ ومضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لائے، یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں، اور نصیحت تو صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا: «فَإِذَا رَأَيْتِ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولَئِكِ الَّذِينَ سَمَّى اللَّهُ فَاحْذَرُوهُمْ»[2]۔ جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو، جو متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، تو یاد رکھو کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالی نے (مذکورہ بالا آیت میں) ذکر کیا ہے، لہذا ان سے متنبہ رہو۔

---

[1] العقيدة الطحاوية (ص 153).

[2] اس کو بخاری (4547) اور مسلم (2665) نے روایت کیا ہے۔

جنگ وجدال، لڑائی جھگڑا، اور متشابہ کے پیچھے پڑنا خوارج کی نمایاں علامت ہے۔

اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے، جو آپ نے خوارج کے اوصاف کے سلسلے میں بیان فرمایا ہے: «قَوْمٌ يُحْسِنُونَ الْقِيلَ وَيُسِيئُونَ الْفِعْلَ»[1] وہ ایسے لوگ ہیں جو گفتگو تو بہت اچھی کریں گے، لیکن کام برے کریں گے۔

اور آپ کا یہ قول بھی دلیل ہے: «يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ . »[2] وہ ایسی بات کہیں گے، جو دنیا کی بہترین بات ہوگی۔

یعنی وہ لوگ منطق وبلاغت والے ہیں، ان سے وہ اپنی باتوں کو مزین کریں گے، اور قرآن سے استدلال کریں گے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خوارج نے کتاب اللہ کو اختیار کرنے کا جھوٹا دعوی کیا... اور سنت کی مخالفت کی جس کی اتباع کا حکم قرآن نے دیا ہے، مومنوں کی تکفیر کی، جن سے دوستی کرنے کا حکم قرآن نے دیا ہے... وہ قرآن کی متشابہ آیتوں کی تلاش وجستجو میں لگ گئے اور ان کے معنی کی معرفت وپہچان کے بغیر، علم میں مضبوطی وپختگی، سنت کی اتباع اور قرآن کے معنی ومطلب کو سمجھنے والی مسلمانوں کی جماعت سے رجوع کیے بغیر ان آیتوں کی بے جا تاویل کرنے لگے[3]۔

اس لیے ان خوارج سے بحث وتکرار، اور مناظرہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان کے سامنے سنت کو واضح طور پر بیان کیا جائے گا، ان کے خلاف حجت قائم کی جائے گی، اور ان سے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا جائے گا۔

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دارمی اور لالکائی نے سنت کے بارے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: عنقریب کچھ لوگ آئیں گے، جو تم سے قرآن کی متشابہ

---

1 اس کو احمد (13338) اور ابوداود (4765) نے روایت کیا ہے۔

2 اس کو بخاری (3611) نے روایت کیا ہے۔

3 مجموع الفتاوی (210/13)

آیتوں کو لے کر حجت وتکرار کریں گے، تو تم سنت کے ذریعہ ان کا مواخذہ کرو، کیونکہ اہل سنت اللہ کی کتاب کو زیادہ جانتے ہیں۔

اور ابن سعد نے الطبقات میں عکرمہ کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب خوارج کے پاس بھیجا تو فرمایا: خوارج کے پاس جاؤ اور ان سے بحث کرو، لیکن قرآن کے ذریعہ نہیں، کیونکہ وہ متعدد معانی والا ہے، بلکہ ان سے سنت کے ذریعہ بحث ومناقشہ کرو۔

اور انہوں نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اے امیر المؤمنین! مجھے ان سے زیادہ اللہ کی کتاب کا علم ہے، ہمارے ہی گھر میں قرآن نازل ہوا، علی رضی اللہ عنہ نے کہا، تم نے سچ کہا، لیکن قرآن میں متعدد معانی کا احتمال ہوتا ہے، ہم ایک معنی مراد لیتے ہیں، اور وہ دوسرا معنی، لیکن ہاں ان سے سنت کے ذریعہ حجت قائم کرو، کیونکہ وہ اس سے کوئی چھٹکارا نہیں پائیں گے، اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس گئے، اور ان سے سنن کے ذریعہ بحث کی، تو ان کے پاس کوئی حجت باقی نہیں رہی۔

اور سعید بن منصور نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ لوگ آپس میں حدیث کے بارے میں بات کر رہے تھے، تو ایک شخص نے کہا، ہمارے سامنے حدیث کا ذکر مت کرو، کتاب اللہ لے کر آؤ، تو عمران رضی اللہ عنہ نے کہا، تم بے وقوف ہو، کیا تم اللہ کی کتاب میں نماز کی اور روزے کی تفسیر وتفصیل پاتے ہو؟ قرآن نے ان کو محکم طور پر بیان کیا ہے، اور سنت میں ان کی تفصیل ہے[1]۔

امت کے سلف صالحین کا یہی مذہب تھا۔

سجزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہیثم بن جمیل نے بیان کیا کہ میں نے مالک بن انس سے کہا، اے ابو عبداللہ! ایک شخص سنت کا عالم ہے، کیا وہ اس کے ذریعہ بحث وجدال کرے گا؟ تو انہوں نے فرمایا،

---

[1] مفتاح الجنة (ص 59)

نہیں، بس وہ سنت کو بیان کردے گا، اگر سنت اس سے قبول کرلی جائے تو بہتر ہے، اور اگر نہ قبول کی جائے تو وہ بحث نہیں کرے گا۔

اور عباس بن غالب الہمدانی الوراق بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہا، اے ابو عبداللہ! میں کبھی ایسی مجلس میں ہوتا ہوں، جس میں میرے علاوہ سنت کا جاننے والا کوئی نہیں ہوتا، اور اس میں ایک بدعتی بات کرتا ہے، تو کیا میں اس کا رد کروں؟ انہوں نے فرمایا، اپنے کو اس کی زحمت مت دو، تم اس کو سنت کے بارے میں بتادو، جھگڑا مت کرو۔ میں نے امام احمد کے سامنے اپنی بات دہرائی تو انہوں نے کہا میں سمجھتا ہوں کہ تم خود جھگڑالو ہو[1]۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لڑائی جھگڑے کے ذریعہ دعوت نہیں دی جائے گی، بلکہ یہ تو حملہ کرنے والے کو روکنے اور دفع کرنے کے باب سے ہے، لیکن جب کوئی حق کی مخالفت کرے تو اس سے نرم و مشفقانہ لہجے میں بہترین طریقے سے گفتگو کی جائے گی[2]۔

لہذا اہل شبہات کے ساتھ بحث وجدال اور مناظرے کا دروازہ کھولنا غلطی ہے، کیونکہ وہ لوگ باطل کے سہارے جھگڑتے ہیں، تاکہ اس سے حق کو متزلزل کریں، ان کا مقصد اپنے منہج وطریقے کی دعوت دینا ہوتا ہے۔ دل کمزور ہوتے ہیں اور شکوک وشبہات اچک لینے والے ہوتے ہیں، لہذا ضروری ہے کہ ان سے بچا جائے۔

---

1 رسالہ السجزي (ص 366)

2 الرد على المنطقيين (ص 468).

14. وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑیں گے:

خوارج کی یہ صفت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: «يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ، وَيَدَعُونَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ، لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ»[1] وہ قرآن مجید کی تلاوت کریں گے، لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، اسلام سے وہ اس طرح نکل جائیں گے، جیسے تیر شکار کو پار کر کے نکل جاتا ہے، وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے، اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے، اگر میں ان کے دور میں ہوا اور وہ مجھے مل گئے تو قوم عاد کی طرح ان کو قتل کر ڈالوں گا۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سب سے بڑی چیز جس کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کی مذمت کی، ان کے بارے میں آپ کا یہ فرمان ہے: «يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَدَعُونَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ» وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے، اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے[2]۔

اور آپ فرماتے ہیں: یہ تمام خوارج کی صفت ہے، یہ لوگ اہل قبلہ (مسلمانوں) کے خون کو کفار کے خون سے زیادہ حلال سمجھتے ہیں، کیونکہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ مسلمان مرتد ہیں، اور ان کے نزدیک مرتد دوسروں سے زیادہ برا ہوتا ہے[3]۔

خوارج کی قوت وشوکت مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوتی ہے، اور ان کے شر کا نشانہ مسلمان بنتے ہیں، اس کے بعض تاریخی شواہد پیچھے گزر چکے ہیں۔

---

1 اس کو بخاری (3344) اور مسلم (2415) نے روایت کیا ہے۔

2 مجموع فتاوی (528/28)

3 مجموع فتاوی (497/28)

15. سختی اور جفا:

خوارج اپنے نفس کے ساتھ جو سلوک و برتاؤ کرتے ہیں، اس میں یہ صفت بہت نمایاں ہے، وہ عبادتوں میں غلو کر کے اپنے اوپر سختی کرتے ہیں، اور ان کے ذریعہ وہ سنت کی مخالفت کرتے ہیں، اور دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں سختی کی صورت یہ ہے کہ وہ ان کی تکفیر کرتے ہیں، انہیں قتل کرتے ہیں، کسی پر رحم نہیں کرتے یہاں تک کہ ان بچوں پر بھی رحم نہیں کرتے جو اپنی ماؤں کے پیٹ میں ہوتے ہیں، وہ پیٹ کو پھاڑ کر بچوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

اس شخص کی بدزبانی و بدکلامی، جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مال غنیمت تقسیم کرنے کے سلسلے میں طعن و تشنیع کی واضح ہے، اس کی صفت کے متعلق حدیث میں ہے: پھر ایک شخص سامنے آیا، اس کی آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں، رخسارے پھولے ہوئے تھے، پیشانی بھی اٹھی ہوئی تھی، داڑھی گھنی، اور سر مونڈا ہوا تھا، اس نے کہا، اے محمد! اللہ سے ڈرو[1]۔

---

[1] اس کو بخاری (3344) اور مسلم (2415) نے روایت کیا ہے۔

16. وہ دنیادار ہوں گے:

یہ ان کے سب سے پہلے شخص کے عمل سے ہی ظاہر ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا(کی چیزیں) تقسیم کرنے پر اعتراض کیا گیا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خوارج کی ابتدا دنیا کی حرص کے سبب ہوئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کا مال غنیمت تقسیم کیا، گویا انہوں نے اپنی فاسد عقلوں سے یہ سمجھا کہ آپ نے تقسیم کرنے میں عدل وانصاف نہیں کیا، تو آپ سے یہ غیر متوقع بات کہہ ڈالی، ان میں سے ایک شخص نے جسے ذوالخویصرہ۔ اللہ اس کی کمر توڑ دے۔ کہا جاتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، انصاف سے کام لیں، کیونکہ آپ نے اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَقَدْ خِبْتُ وَخَسِرْتُ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ، أَيَأْمَنُنِي عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ وَلَا تَأْمَنُونِي" اگر میں انصاف نہ کروں، تو میں ناکام ونامراد ہو جاؤں گا، اور خسارے میں پڑ جاؤں گا، اللہ تعالیٰ تو مجھے زمین والوں پر امین بنا کر اعتماد کرے، لیکن تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے۔

جب وہ آدمی واپس چلا گیا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے قتل کی اجازت طلب کی، تو آپ نے فرمایا: "دَعْهُ فَإِنَّهُ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا - أَيْ: مِنْ جِنْسِهِ - قَوْمٌ يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ، وَقِرَاءَتَهُ مَعَ قِرَاءَتِهِمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ، فَإِنَّ فِي قَتْلِهِمْ أَجْرًا لِمَنْ قَتَلَهُمْ" اسے چھوڑ دو، کیونکہ اس کی نسل (یعنی اس کی جنس) سے ایسی قوم پیدا ہوگی کہ تم اپنی نماز، روزہ اور تلاوت قرآن کو، ان کی نماز، روزے اور تلاوت قرآن کے مقابلے میں (بظاہر) حقیر اور معمولی سمجھو گے، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار کے پار نکل جاتا ہے، جہاں بھی تم انہیں پاؤ، ان کو قتل کردو، کیونکہ ان کو قتل کرنے میں، قتل کرنے والے کے لیے اجر وثواب ہے۔

پھر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کا ظہور ہوا، اور نہروان میں وہ قتل کیے گئے۔ اس کے بعد ان میں سے مختلف کنبے، قبیلے، آراء ومقالات، اور بہت سے فرقے وجود میں آگئے[1]۔

---

[1] تفسير ابن كثير (10/2)

اور علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے کہ خوارج نے عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے اندر داخل ہو کر ان کو قتل کیا تھا، وہ لکھتے ہیں:

پھر یہ فاجر لوگ گھر کے اندر موجود مال واسباب پر ٹوٹ پڑے اور سب کچھ لوٹ لیا، اور یہ اس وقت ہوا جب ان میں سے ایک شخص نے بلند آواز سے کہا، کیا ہمارے لیے عثمان کا خون حلال ہے، ان کا مال حلال نہیں ہے؟ یہ سن کر ان لوگوں نے گھر میں موجود مال لوٹ لیا...

اس کے بعد سب نے بیک آواز ہو کر کہا کہ قبل اس کے کہ کوئی بیت المال تک پہونچے تم اس پر قبضہ کر لو، ان کی آواز کو بیت المال کے محافظوں نے سن لیا، تو کہنے لگے، لوگو! بچو، بچو، کیونکہ یہ قوم اپنے اس قول میں سچی نہیں ہے کہ ان کا مقصد حق کو قائم کرنا، اچھی باتوں کا حکم دینا اور برائی سے روکنا، اور ان کے علاوہ وہ کام کرنا ہے، جن کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا کہ وہ اسی کی خاطر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ لیکن در حقیقت یہ سب ان کا جھوٹ ہے، ان کا مقصد تو صرف دنیا ہے، مگر اس آواز کا کوئی اثر نہیں ہوا، اور وہ شکست کھا گئے، اس کے بعد خوارج نے بیت المال پہنچ کر اس کا سارا مال لوٹ لیا، اس وقت بیت المال کے اندر بہت زیادہ ساز وسامان تھا[1]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں ان احادیث کے لیے یہ باب باندھا ہے: اس بات کا بیان کہ خوارج کے خروج وبغاوت کا سبب مال غنیمت کی تقسیم میں (بقول ان کے) ترجیح دینا تھا، حالانکہ وہ ترجیح صحیح و درست تھی، مگر یہ ان پر مخفی رہی[2]۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے خوارج اور ان کی صفت کو کتاب الزکاۃ میں داخل کیا ہے، اور شاید ان کا اشارہ اسی معنی کی طرف ہے۔

خوارج میں سے ایک شخص حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس آیا اور ان سے کہا، خوارج کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا، وہ دنیادار ہیں، خارجی نے کہا، کس بنیاد پر آپ نے یہ بات کہی؟ جبکہ ان کا فرد نیزہ میں چلتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس میں ٹوٹ جاتا ہے، اور وہ اپنے اہل وعیال کو چھوڑ

---

[1] (316/10)

[2] فتح الباري (301/12)

کر نکل جاتا ہے۔ حسن بصری نے کہا، مجھ سے حاکم کے متعلق بیان کرو، کیا وہ تمہیں نماز قائم کرنے، زکاۃ ادا کرنے اور حج وعمرہ کرنے سے روکتے ہیں؟ اس نے کہا نہیں، تو حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ تم کو دنیاداری سے روکتے ہیں، اور اس بناپر تم ان سے جنگ کرتے ہو[1]۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بہت سے لوگ یا اکثر لوگ جنہوں نے حکام کے خلاف بغاوت کی، تو اس لیے کی تاکہ وہ حکام کے ترجیحی معاملہ وسلوک پر ان سے اختلاف ونزاع کریں، اور ان لوگوں نے ان کے ترجیحی رویہ پر صبر نہیں کیا، اس کے علاوہ حاکم کی دوسری برائیاں اور کوتاہیاں بھی ہوتی ہیں، تو حاکم کی خود غرضی اور اس کے ترجیحی سلوک کی بناپر خارجی کا اس سے بغض رکھنا، اس کی ان برائیوں کو اور بڑھادیتا ہے، اور حاکم سے لڑنے والا اس گمان سے اس سے لڑائی کرتا ہے کہ فتنہ وفساد کا خاتمہ ہو اور دین سب کا سب اللہ کے لیے ہو جائے، اس کا سب سے اہم مقصد جس کی خاطر وہ حاکم سے جنگ کرتا ہے، یا تو حکومت حاصل کرنا یا مال حاصل کرنا ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: {فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ} [توبة 58] اگر انہیں اس (مال غنیمت) میں سے مل جائے تو خوش ہیں، اور اگر اس میں سے نہ ملا تو فوراً ہی ناراض ہو جاتے ہیں۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «ثلاثة لا يكلمهم الله ولا ينظر إليهم يوم القيامة ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم: وذكر منهم: «ورجل بايع إماما لا يبايعه إلا لدنيا: إن أعطاه منها رضي: وإن منعه سخط»[2] تین آدمی وہ ہیں، جن سے اللہ تعالی قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا، نہ ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) دیکھے گا، اور نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں میں سے ایک آدمی کا ذکر ان الفاظ سے کیا: اور ایک وہ آدمی جو کسی حاکم وقت سے صرف دنیا حاصل کرنے کی غرض سے بیعت کرے، اگر وہ اس کو دنیا کے مال سے کچھ دیدے تو وہ راضی رہے، اور اگر نہ دے تو ناراض ہو جائے۔

---

[1] البصائر والذخائر (156/1)

[2] اس کو بخاری (7212) نے روایت کیا ہے۔

لہذا جب اس جہت سے بھی شبہ اور شہوت ہو اور اس جہت سے بھی شہوت و شبہ ہو تو فتنہ و فساد قائم ہو جاتا ہے[1]۔

[1] منهاج السنة (541/4)

17. علماء پر طعن و تشنیع اور نوجوانوں کو ان کی علمی مجلسوں سے دور کرنا:

خوارج عام طور پر علماء سے علم نہیں حاصل کرتے، بلکہ وہ اپنی سمجھ اور ان شبہات وتاویلات پر اعتماد کرتے ہیں جو ان کو ان کے اکابرین و پیشوا املاء کراتے ہیں، اور جو ان کے مذہب واعتقاد کے موافق ہوتے ہیں، یہ اکابرین ان کو علماء سے مختلف طریقے سے دور کرتے ہیں، الزام لگا کر، حقائق کو مسخ کر کے، (برے) القاب کے ذریعہ، عیب لگا کر اور نفرت انگیز اوصاف کے ذریعہ۔ ان کے ذریعہ وہ اپنے متبعین کو حق اور اہل حق سے روکتے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ نوجوان جب علماء سے دین کے احکام ومسائل حاصل کریں گے، اور علم وتعلم کی خاطر ان کے ارد گرد جمع ہوں گے تو یہ ان کو استقامت کی راہ اور اس واضح سنت کی طرف لے جائے گا جو خوارج کے عیوب کا پردہ فاش کردے گی، اور ان کے اصول اور مذہب کی دیوار منہدم کردے گی، اس کے نتیجے میں ان کے متبعین ان سے دور ہو جائیں گے، اور لوگوں کے اندر ان سے بغض ونفرت پھیل جائے گی۔

علماء، ان کی مجالس اور ان کی باتیں سننے سے روکنا ہر زمانے میں خوارج کی خصوصیت وپہچان رہی ہے۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خوارج کے پاس جانے کے واقعہ میں ہے، عبد اللہ بن شداد کہتے ہیں: علی رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو خوارج کے پاس بھیجا تو میں بھی ان کے ساتھ گیا، جب ہم ان کی فوج کے بیچ میں پہونچے، تو ابن الکواء کھڑا ہو کر تقریر کرنے لگا، اس نے کہا: اے قرآن کے حفاظ! یہ عبد اللہ بن عباس ہیں، جو شخص ان کو نہیں پہچانتا، میں اس سے ان کا تعارف قرآن کے ذریعہ کراتا ہوں جس سے وہ ان کو اچھی طرح پہچان لے گا، یہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں، جن کے بارے میں اور جن کی قوم کے بارے میں قرآن کی یہ آیت "قَوْمٌ خَصِمُونَ" (جھگڑالو قوم) نازل ہوئی ہے، لہذا ان کو ان کے ساتھی کے پاس لوٹا دو، اور کتاب اللہ کے ذریعہ ان سے بحث مت کرو[1]۔

جو چیزیں خوارج کی اس صفت کی وضاحت کرتی ہیں، ان میں سے ایک وہ بھی ہے، جس کو ماوردی نے " رعاية العلم ومراعاة العلماء " کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔ وہ علماء کی غیر موجودگی، یا ان کو

---

[1] اس کو احمد (656) نے روایت کیا ہے۔

نظر انداز کرنے کے سلسلے میں لکھتے ہیں: پھر بعید نہیں کہ بدعتی اور خود ساختہ مذہب والے لوگ ظاہر ہوں، جو جھوٹی اور خلاف واقعہ بات اور مسخ شدہ مذہب کو مزین اور آراستہ کریں، جس کے ذریعہ سادہ لوح اور ناتجربہ کار لوگوں کے دلوں کو فریفتہ کرلیں، اور گھٹیا اور برے لوگوں کے ذریعہ اس کو تقویت پہونچائیں، اس کے نتیجے میں لوگ ان کی طرف مائل ہوں، اور ان کی پرکشش باتوں اور لطف وکرم سے ان کی طرف متوجہ ہوں، نیز ان کی طرف مائل ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہر نئی چیز میں لذت اور کشش ہوتی ہے، اس صورت میں بدعتیں عام ہو جائیں گی، اور برحق مذاہب کمزور پڑ جائیں گے، پھر یہ سب چیزیں انہیں حزبیت اور گروہ بندی کی طرف لے جائیں گی، اور جب وہ اپنی جماعتوں کی کثرت، اور اپنی شان وشوکت کی قوت دیکھیں گے تو طاقت کا نشہ چڑھ جائے گا، اور کثرت تعداد کی نخوت گھر کر جائے گی، تو یہ چیز ان جاہل عبادت گزاروں اور فاسق علماء کی ان کے مخالفین پر حملہ کرنے میں مدد کرے گی، جب ان کا یہ سب کچھ صحیح طریقے سے چلے گا تو وہ حاکم کی اس کی حکومت کے سلسلے میں مزاحمت کریں گے، اور اس کی اچھی سیرت عام لوگوں میں قبیح بنا کر پیش کریں گے، اور اس طرح ان کی کردار کشی کریں گے، اور بسا اوقات ایسی دراڑ پڑ جاتی ہے، جسے بند نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ بڑے معاملات شروع میں چھوٹے ظاہر ہوتے ہیں[1]۔

---

[1] درر السلوك (ص 121)

18. غداری اور فتنہ وفساد پھیلانا:

یہ ہر زمان ومکان میں خوارج کی عادت رہی ہے، واقعات اور تاریخ اس کے بہترین گواہ ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پھر 153 ہجری کا سال شروع ہو گیا... اس سال میں خوارج افریقی ملکوں میں گئے، وہاں خوب فتنہ وفساد پھیلایا، عورتوں اور بچوں کو قتل کیا، اور عوام الناس کو ایذاء وتکلیف پہونچائی[1]۔

اس کے متعلق میں دو قصے ذکر کروں گا: ایک قصہ غداری کے متعلق، اور دوسرا زمین میں فساد پھیلانے اور تخریب کاری کے متعلق ہے۔

سیر أعلام النبلاء، میں، قائم ابوالقاسم محمد بن مہدی صاحب المغرب العبیدی القرمطی الزندیق کے ترجمہ میں ہے، جس نے متعدد علماء کو ہلاک کیا، وہ بحرین کے قرامطہ سے خط وکتابت کرتا تھا، اور انہیں مساجد اور مصاحف (قرآن) کو جلانے کا حکم دیتا تھا، تو ابویزید مخلد بن کیداد البربری نے اس کے خلاف بغاوت کر دی، اور یہ مخلد عابد وزاہد تھا، لیکن خارجی تھا، اس کے ساتھ بہت سے اہل سنت اور صلحاء بھی اٹھ کھڑے ہوئے، قریب تھا کہ وہ دنیا کا مالک ہو جائے، اس کے جھنڈے جامع قیروان کے پاس گاڑ دیے گیے، اس پر لکھا تھا: لا إله إلا الله، لا حكم إلا لله (اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں، حکم صرف اللہ کا ہے) اس کے علاوہ دو پیلے جھنڈے تھے، جن پر لکھا تھا: نصرٌ من الله وفتحٌ قريبٌ، اور ایک جھنڈا مخلد کا تھا جس پر لکھا تھا: اللهمّ انصرْ وليّك على من سبّ نبيّك (اے اللہ! اپنے ولی کی اس شخص کے خلاف مدد کر جس نے تیرے نبی کو برا بھلا کہا)۔

احمد بن ولید نے ان کے سامنے خطبہ دیا اور اس میں انہیں جہاد کی ترغیب دی، پھر یہ لوگ وہاں سے چلے اور فرقہ مہدیہ سے مقابلے کے لیے اترے، جب ان کی مڈبھیڑ ہوئی، اور مخلد کو کامیابی کا یقین ہو گیا، تو اس کا خارجی نفس حرکت میں آیا، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا، اہل قیروان سے الگ ہو جاؤ، تاکہ ان

---

[1] البداية والنهاية (13/428).

کے دشمن ان سے اپنا مطلوب حاصل کرلیں، تو انہوں نے ایسا ہی کیا، اس کے نتیجے میں پچاسی علماء وصالحین شہید ہوئے[1]۔

خورارج ایسے ہیں کہ ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

کتاب نثر الدر في المحاضرات میں ہے: مدینہ میں ایک خارجی تھا، اس کے متعلق ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے اس کو دیکھا کہ مسجد کی لالٹینوں پر کنکری مار کر انہیں توڑ رہا ہے، میں نے اس سے کہا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ اس سے زیادہ کرنے کی مجھ میں استطاعت نہیں ہے، میں روزانہ دو عدد لالٹینیں توڑ کر ان کو نقصان پہونچاتا ہوں[2]۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خوارج مساجد کو خراب و برباد کرنے، مسلمانوں کے ملک کو تباہ کرنے اور ان کے مفادات کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

---

[1] .(154-152/15)

[2] (153/5)

19. حاکم وقت کی بیعت سے خروج کرنا، اس کی عدم صحت کا اعتقاد رکھنا اور اپنے عقیدے کے کسی آدمی سے بیعت کرنا:

یہ چیز خوارج کے اندر بالکل ظاہر اور واضح ہے۔ چنانچہ وہ حکام کے لیے بیعت کو دین نہیں سمجھتے، بلکہ کسی ایسے شخص کے حکم واقتدار کی قانونی حیثیت تسلیم نہیں کرتے، جو ان کے عقیدہ اور مذہب کا نہیں ہے۔ انہوں نے تو خلیفہ وقت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیعت کو بھی توڑ دیا تھا، اور ان کی جگہ عبد اللہ بن وہب الراسبی سے بیعت کر کے اس کو اپنا امیر بنالیا تھا، یہ بہت بڑی خیانت ہے، ایسی خیانت کرنے والے کے لیے قیامت کے دن غدر وخیانت کا جھنڈا نصب کیا جائے گا، یہ بیعت ہر مسلمان کی گردن میں لازم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً»[1]۔ جس کی موت اس حال میں ہوئی کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں، تو اس کی موت جاہلیت پر ہوئی۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر مسلمان کے اوپر بیعت واجب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: «مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً» (جس کی موت اس حال میں ہوئی کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں، تو اس کی موت جاہلیت پر ہوئی)۔

البتہ جو اہل حل وعقد میں سے ہو، اور مشہور بھی ہو تو اس کی بیعت زبان سے بھی ہوگی، اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بھی ہوگی، اگر وہ حاضر ہو، اور اگر وہ حاضر نہ ہو (کہیں دوسری جگہ ہو) تو اس کی بیعت زبان سے ہوگی، اور اس کے ساتھ اس پر گواہ بھی بنانا ہوگا، (جو حاکم کے لیے اس کی بیعت کی گواہی دے)۔ اور جو شخص ناقابل التفات اور غیر معروف ہو اس کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے کو حاکم کی اطاعت کے تحت داخل ہونے کا اعتقاد رکھے، اس کی بات سنے، اور اس کی اطاعت کرے، پوشیدہ طور پر بھی اور علانیہ بھی،

---

1 اس کو مسلم (1851) نے روایت کیا ہے۔

اور اس کے برخلاف اعتقاد نہ رکھے، اگر ایسا اعتقاد رکھا اور اسے چھپایا اور اسی حالت میں مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی، کیونکہ اس نے اپنی گردن میں (حاکم کی) بیعت نہیں رکھی [1]۔

امام بربہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ایک رات بھی اس عقیدے کے ساتھ گزارے کہ اس کے اوپر کوئی حاکم نہیں ہے، وہ حاکم نیک ہو یا فاجر... امام احمد بن حنبل نے اسی طرح فرمایا ہے [2]۔

جو شخص مسلمان حاکم وقت کی بیعت کا اعتقاد نہیں رکھتا ہے، تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس سلسلے میں سخت وعید آئی ہے، اور حاکم کی بیعت توڑنے سے ڈرایا گیا ہے۔

نافع سے روایت ہے کہ یزید بن معاویہ کے زمانے میں جب حرۃ کا واقعہ پیش آیا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن مطیع کے پاس آئے (یزید نے مدینہ پر لشکر بھیجا تھا، اور اہل مدینہ مقام حرۃ میں قتل ہوئے تھے) عبداللہ بن مطیع نے کہا، ابو عبدالرحمن (یہ عبداللہ بن عمر کی کنیت ہے) کے لیے توشک بچھاؤ، انہوں نے کہا، میں اس لیے نہیں آیا کہ بیٹھوں، بلکہ ایک حدیث تم کو سنانے کے لیے آیا ہوں، جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، آپ نے فرمایا: «مَنْ خلع يدا من طاعة، لقي الله يوم القيامة لا حجة له، ومن مات وليس في عنقه بيعة، مات ميتة جاهلية» [3] جو شخص اپنا ہاتھ اطاعت سے نکال لے، وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت و دلیل نہیں ہوگی، اور جو شخص اس حال میں مر جائے کہ اس کی گردن میں کسی (حاکم) کی بیعت نہ ہو، تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن مطیع سے اس وقت بیان کی، جب لوگوں نے اس وقت کے امیر یزید کی اطاعت سے اپنے ہاتھ کھینچ لیے، ابن

---

1 المفهم (44،4)

2 شرح السنة (ص 56).

3 اسے مسلم (1851) نے روایت کیا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث یہ جاننے کے باوجود بیان کی کہ یزید نے ظلم کیا تھا، ان کے ساتھ جنگ کی تھی اور اہل حرۃ کے ساتھ بہت سے برے کام کیے تھے۔

تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی اس سلسلے کی دوسری تمام حدیثوں کی طرح اس بات کی دلیل ہے کہ مسلم حکام کے خلاف تلوار کے ذریعہ بغاوت نہیں کی جائے گی، اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو مسلمان حکام کی اطاعت نہیں کرتا ہے، اور اسی حالت میں مر جاتا ہے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی[1]۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ، إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً» جس نے اپنے امیر کی ناپسندیدہ چیز دیکھی تو اسے چاہیے کہ صبر کرے، اس لیے کہ جس نے جماعت سے ایک بالشت بھر جدائی اختیار کی، اور اسی حالت میں مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: «مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً»[2] جو شخص اپنے امیر کی کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو اسے چاہیے کہ صبر کرے، کیونکہ حاکم کی اطاعت سے اگر کوئی بالشت برابر بھی باہر نکلا، تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

اور نافع سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے یزید بن معاویہ سے بیعت توڑ دی تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹوں اور گھر والوں کو جمع کیا، اور کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد کہا، ہم نے اس شخص سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیعت کی ہے، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: إِنَّ الْغَادِرَ يُنْصَبُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ هَذِهِ غَدْرَةُ فُلَانٍ، وَإِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْغَدْرِ أَنْ يُبَايِعَ رَجُلٌ رَجُلًا عَلَى بَيْعِ اللهِ وَرَسُولِهِ، ثُمَّ يَنْكُثُ بَيْعَتَهُ، فَلَا

---

[1] منهاج السنة (111/1).

[2] اس کو بخاری (7053 - 7054) اور مسلم (1849) نے روایت کیا ہے۔

يَخلعنّ أحدٌ منكُمْ يزيد، ولا يُشرِفنّ أحدٌ منكُمْ في هذا الأمْرِ فيكُون صيْلمُ بيْني وبيْنهُ"[1] عہد وپیمان توڑنے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، کہا جائے گا کہ یہ فلاں کی بدعہدی (کانشان) ہے، اور سب سے بڑی بدعہدی میں سے یہ ہے کہ ایک آدمی کسی دوسرے شخص سے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے بیعت کرے، پھر اپنی بیعت توڑ دے، لہذا تم میں سے کوئی یزید کی بیعت سے دست بردار نہ ہو، اور نہ کوئی اس امر خلافت میں لالچ کرے کہ اس کے اور میرے درمیان کوئی بڑی مشکل یا جدائی پیدا ہو جائے۔

بیعت صرف اسی حاکم سے کی جائے گی، جو موجود ہو، متعین و معلوم ہو، جس کے پاس طاقت وقدرت اور اقتدار ہو، جس کے ذریعہ وہ لوگوں کے امور ومعاملات کی تدبیر اور انتظام کر سکتا ہو، کسی ایسے شخص سے بیعت نہیں کی جائے گی، جو مجہول وغیر معروف ہو، نہ اس کی شخصیت وحالات معلوم ہوں، اور نہ اس کا پتہ وٹھکانہ۔ پھر ایسا مجہول شخص خلافت کا دعوی کرے اور بے وقوف لوگ اس سے بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑیں، اور جو بیعت ان کے اوپر واجب ہے، اس سے اپنی گردنوں سے اتار پھینکیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ائمہ وحکام کی اطاعت کا حکم دیا ہے، جو موجود ہوں، معلوم ومعروف ہوں، جن کے پاس طاقت واقتدار ہو، جس کے ذریعہ وہ لوگوں کے امور ومعاملات کی تدبیر وانتظام کرنے پر قادر ہوں، آپ نے کسی معدوم شخص کی اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے، نہ کسی مجہول کی، اور نہ اس شخص کی بیعت کا، جس کے پاس حکومت واقتدار نہ ہو، اور نہ کسی چیز پر بالکل کوئی قدرت ہو[2]۔

شیخ عبدالسلام البرجس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی دلیل یہ ہے کہ شریعت میں امامت وخلافت کے جو مقاصد ہیں، جیسے لوگوں کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنا، اللہ کے شعائر کا اظہار کرنا، اور حدود نافذ کرنا وغیرہ، تو ممکن نہیں ہے کہ ان سب امور کو وہ شخص انجام دے جو معدوم ہے، ابھی تک اس کا وجود ہی نہیں ہوا ہے، اور نہ وہ شخص یہ سب کر سکتا ہے، جو مجہول وغیر معروف ہے۔

---

[1] اس کو احمد (5088) نے روایت کیا ہے۔

[2] منهاج السنة (115/1)

ان سب امور کو وہ حاکم ہی انجام دے سکتا ہے جو موجود ہے، جس کو عام مسلمان جانتے اور پہچانتے ہیں، ان کے علماء، عوام، نوجوان، بوڑھے اور مرد وعورت، سب اسے جانتے ہیں، اور جس کے پاس حکومت کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کی قدرت وصلاحیت ہے... اب جس نے اپنے آپ کو ایسے حاکم کے درجے میں رکھا، جس کے پاس لوگوں کے امور ومعاملات کی تدبیر وانتظام کرنے کی طاقت وقدرت ہے، اور اس نے کسی جماعت کو اپنی اطاعت کی دعوت دی، یا خود اس جماعت نے اس سے بیعت کی، جس کے بموجب وہ اس کی اطاعت کرے گی... جبکہ ولی امر وحاکم ظاہر وموجود ہے، تو ایسے شخص نے اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کی، شریعت کے مقاصد کی مخالفت کی، اور وہ مسلمانوں کی جماعت سے نکل گیا۔

اس صورت میں اس خود ساختہ حاکم کی اطاعت واجب نہیں ہوگی، بلکہ حرام ہوگی، اور جس نے ایسے حاکم کی مدد کی، مال کے ذریعہ یا الفاظ کے ذریعہ، یا اس سے بھی کم کسی چیز کے ذریعہ اس کا تعاون کیا، اس نے اسلام کو ڈھانے اور مسلمانوں کو قتل کرنے میں مدد کی، اور زمین میں فتنہ وفساد پھیلانے کی کوشش کی، اور اللہ تعالی فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا[1]۔

---

[1] معاملة الحكام (ص 40)

20. حکام کے لیے دعا نہ کرنا:

حاکم کے لیے دعاء کرنا ایسی چیز ہے، جس کی وجہ سے سنی مسلمان دوسروں سے ممتاز و نمایاں ہوتا ہے:

عبد الصمد بن یزید بغدادی رحمہ اللہ (جو مردویہ سے مشہور ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے فضیل بن عیاض کو یہ کہتے ہوئے سنا: اگر میرے پاس کوئی دعائے مستجب ہوتی تو میں اسے صرف حاکم کے حق میں کرتا، ان سے پوچھا گیا اے ابو علی! کیوں؟ انہوں نے کہا، جب یہ دعائے مستجاب میں اپنے حق میں کروں گا تو اس دعاء کا فائدہ صرف مجھ کو ہوگا، دوسروں تک نہیں پہونچے گا، لیکن جب میں یہ دعاء حاکم کے لیے کروں گا، تو حاکم کی صلاح میں ملک اور عوام سب کی صلاح ہے[1]۔

یعنی حاکم درست ہے تو اس کا فائدہ ملک کو بھی ہوگا اور رعایہ کو بھی۔

امام احمد رحمہ اللہ اپنے حاکم کے متعلق فرماتے تھے: میں اس کے لیے دن رات اللہ سے توفیق و تائید اور راہ راست کی طرف اس کی رہنمائی کی دعاء کرتا ہوں، اور میں اس کے لیے دعاء کرنا اپنے اوپر واجب سمجھتا ہوں[2]۔

اور آپ فرماتے تھے: کوئی دن مجھ پر ایسا نہیں آتا ہے، جس میں حاکم کے لیے میں اللہ تعالی سے دعاء نہیں کرتا ہوں[3]۔

امام طرطوشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام رعایا پر یہ حق ہے کہ وہ حاکم کی اصلاح کے لیے عاجزی وانکساری کے ساتھ اللہ تعالی سے دعاء کریں، اس کے ساتھ خیر خواہی کریں، اور خصوصا اپنی نیک دعاؤں میں اسے یاد رکھیں، کیونکہ اگر اس کے اندر صلاح و درستگی ہے، وہ ٹھیک ہے، تو ملک بھی ٹھیک رہے گا اور

---

[1] حلية الأولياء (91/8)

[2] السنة للخلال (14)

[3] سير أعلام النبلاء (292/11)

ملک کے عوام بھی ٹھیک رہیں گے، اسی طرح اگر اس کے اندر فساد ہے، تو اس کی وجہ سے عوام کے اندر بھی فساد ہوگا، اور ملک کے اندر بھی[1]۔

اسی لیے امام بربہاری رحمہ اللہ نے فرمایا: جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ حاکم پر بددعاء کر رہا ہے، تو سمجھ لو کہ وہ خواہشات نفس کا غلام ہے، اور جب کسی کو دیکھو کہ وہ حاکم کے لیے صلاح کی دعاء کر رہا ہے تو سمجھ جاؤ کی وہ صاحب سنت ہے، انشاء اللہ، کیونکہ ہمیں حکام کے لیے صلاح کی دعاء کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان پر بددعاء کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، خواہ وہ ظلم وزیادتی کریں، اس لیے کہ ان کے ظلم وزیادتی کا گناہ ان کے اوپر ہے، لیکن ان کے صلاح کا فائدہ ان کو بھی ہے اور تمام مسلمانوں کو بھی ہے[2]۔

اور یہی وہ طریقہ ہے جس پر امت کے نیک لوگ ہمیشہ چلتے رہے ہیں۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر بیت المال مجھے مل جاتا تو میں اس میں سے حلال مال لے کر اس سے اچھا کھانا بناتا، پھر صالحین اور اہل فضل کو کھانے پر مدعو کرتا، اور جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو جاتے تو میں ان سے کہتا، آؤ ہم سب مل کر اپنے رب سے دعاء کریں کہ وہ ہمارے بادشاہوں اور ہمارے تمام ولاۃ کو توفیق دے[3]۔

سعید بن عامر کہتے ہیں کہ: محمد بن واسع، امیر بلال بن ابی بردہ سے ملاقات کے لیے آئے تو انہوں نے ان کو اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دی، لیکن محمد بن واسع نے بیماری کا عذر پیش کرکے کھانے سے معذرت کی، اس پر امیر بلال ناراض ہو گئے، اور کہا کہ میرا خیال ہے کہ تم ہمارے کھانے کو ناپسند کرتے ہو، محمد بن واسع نے کہا، امیر محترم ایسی بات نہ کہیں، اللہ کی قسم، آپ لوگوں میں سے جو بہترین امیر و حاکم ہیں، وہ ہمیں اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں[4]۔

---

[1] سراج الملوك (ص 151)

[2] شرح السنة (ص 116).

[3] سراج الملوك (ص 116).

[4] سير أعلام النبلاء (122/6)

لہذا جو حکمراں کی اصلاح کرنا چاہتا ہے، وہ اس پر بد دعاء نہیں کرتا ہے، بلکہ اس کے لیے خیر وبھلائی کی دعاء کرتا ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ اس کو توفیق ملے اور لوگوں میں اس کا عدل وانصاف پھیلے۔

ابن الازرق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام نووی نے شب قدر کے بارے میں فرمایا کہ آدمی کے لیے مستحب ہے کہ وہ شب قدر میں مسلمانوں کے اہم امور ومسائل کے لیے کثرت سے دعاء کرے، یہی صالحین کا شعار ہے، اور اللہ کے نیک بندوں کا طریقہ رہا ہے۔

ابن الازرق کہتے ہیں کہ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حاکم کے لیے صلاح کی دعاء کرنا، مسلمانوں کے اہم امور میں سے ہے، کیونکہ ان کی صلاح کا دارومدار حاکم کی صلاح پر ہے [1]۔

علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس لیے کہ جو حاکم کے لیے دعاء نہیں کرتا ہے، اس کے اندر قبیح قسم کی بدعت ہے، یعنی حکام کے خلاف خروج وبغاوت کی بدعت، اگر تم اللہ کے، اس کی کتاب کے، اس کے رسول کے، مسلم حکمرانوں اور عام مسلمانوں کے خیر خواہ ہوتے تو حاکم کے لیے دعاء کرتے، کیونکہ حاکم جب صحیح ہوگا تو رعایا بھی صحیح ہوگی، لیکن بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب وہ حاکم کے اندر کوئی انحراف یا کسی طرح کی خرابی دیکھتے ہیں، اور ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالی سے دعاء کریں کہ وہ حاکم کو ہدایت دے، تو وہ کہتے ہیں، نہیں، دعاء نہیں کریں گے، اس کو اللہ تعالی ہر گز ہدایت نہیں دے گا، بلکہ میں تو اللہ سے اس کی ہلاکت کی دعاء کروں گا۔ اللہ تعالی کیوں اس کو ہدایت نہیں دے گا، کیا اللہ تعالی نے بعض کافر حکمرانوں کو ہدایت نہیں دی ہے؟ یقیناً دی ہے، اگر فرض کر لیا جائے کہ اللہ تعالی نے تمہاری خواہش کے مطابق اس کو ہلاک کر دیا، تو اس کے بعد اقتدار کون سنبھالے گا، اس کا متبادل کون ہے؟ اس وقت عرب عوام نے کئی ملکوں میں انقلاب برپا کیا ہے، اب ان ممالک کے لوگوں سے پوچھو، کس طرح کی حکومت بہتر ہے، جب ان ملکوں میں بادشاہت تھی، وہ بہتر تھی یا اب انقلابی حکومت بہتر ہے؟ وہ سب

[1] بدائع السلك (ص 43).

کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں یا پہلو کے بل لیٹے ہوں، بیک وقت و بیک زبان بول پڑیں گے، جب ہمارے ملک میں بادشاہت تھی وہ ہزار درجے بہتر تھی، یہ چیز بالکل واضح ہے[1]۔

[1] لقاء الباب المفتوح (نمبر 169-کیسٹ)

21. عہد وپیمان کو پورا نہیں کرتے ہیں، اور نہ کسی کے احسان ونعمت کا شکریہ ادا کرتے ہیں:

مصعب بن سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد سعد رضی اللہ عنہ سے حروریہ (خوارج) کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا، حروریہ وہ لوگ ہیں، جو اللہ تعالی کے مضبوط عہد وپیمان کو توڑ دیتے ہیں، اور سعد رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو فاسق کہا کرتے تھے[1]۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ ان لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتے جو ان کے ساتھ احسان کرتے ہیں، تو پچھلے صفحات میں یہ بات گزری کہ عبدالرحمن بن ملجم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارا تھا، اس واقعہ میں یہ بھی ہے: اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر ان کے گھر میں لایا گیا، انہوں نے کہا، اس شخص (ابن ملجم) کو لاؤ، تو اسے آپ کے پاس لایا گیا، علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا، اے اللہ کے دشمن! کیا میں نے تم پر احسان نہیں کیا تھا؟ اس نے کہا، کیوں نہیں، بالکل کیا تھا، علی رضی اللہ عنہ نے کہا، پھر کس وجہ سے تم نے اتنا بڑا مجرمانہ قدم اٹھایا؟ اس نے کہا، میں نے اس تلوار کو چالیس دنوں تک تیز کیا تھا، اور اللہ سے دعاء کی تھی کہ وہ اس کے ذریعہ اپنی بدترین مخلوق کو قتل کرے، یہ سن کر علی رضی اللہ عنہ نے کہا، میں سمجھتا ہوں کہ تم ہی اس تلوار سے قتل کیے جاؤگے، اور میرا خیال ہے کہ تم ہی اللہ کی بدترین مخلوق ہو[2]۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ سن 42 ہجری میں رونما ہونے والے واقعات کے سلسلے میں فرماتے ہیں: اسی سال میں وہ خوارج متحرک ہوگئے، جن کو علی رضی اللہ عنہ نے جنگ نہروان کے موقع پر معاف کردیا تھا، ان کے زخمی اچھے ہوچکے تھے، اور ان کی طاقت وقوت بحال ہوگئی تھی، جب ان کو علی رضی اللہ عنہ

---

[1] اس کو بخاری (4728) نے روایت کیا ہے۔

[2] تاريخ الطبري (5/144، 145).

کے قتل کی خبر ملی، تو انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے قاتل عبدالرحمن بن ملجم کے لیے رحمت کی دعاء کی، یعنی اس کے متعلق رحمہ اللہ کہا، اور علی رضی اللہ عنہ کے قتل پر اللہ تعالی کی حمد وثنا بیان کرنے لگے[1]۔

خوارج کے شاعر ابن میاس المرادی نے علی رضی اللہ عنہ کے قتل پر فخر کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

وَنَحْنُ ضَرَبْنَا يَا لَكَ الْخَيْرُ حَيْدَرًا   أَبَا حَسَنٍ مَأْمُومَةً فَتَفَطَّرَا

وَنَحْنُ خَلَعْنَا مُلْكَهُ مِنْ نِظَامِهِ   بِضَرْبَةِ سَيْفٍ إِذْ عَلَا وَتَجَبَّرَا

تمہارا بھلا ہو، ہم نے ابوالحسن حیدر کو مارا، چوٹ دماغ پر لگی اور وہ پھٹ گیا۔

ہم نے اس کی حکومت اس کے نظام سے چھین لی، تلوار کی ایک ضرب سے، جب اس نے تکبر وسرکشی کی۔

اور عمران بن حطان خارجی نے علی رضی اللہ عنہ کے بدبخت قاتل ابن ملجم کی مدح وستائش ان الفاظ میں کی:

يَا ضَرْبَةً مِنْ تَقِيٍّ مَا أَرَادَ بِهَا   إِلَّا لِيَبْلُغَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ رِضْوَانَا

إِنِّي لَأَذْكُرُهُ يَوْمًا فَأَحْسَبُهُ   أَوْفَى الْبَرِيَّةِ عِنْدَ اللهِ مِيزَانَا[2]

متقی شخص کی کیا مار تھی، جس سے اس کا مقصود صرف عرش والے کی خوشنودی حاصل کرنا تھا۔

میں اس کو کسی دن یاد کرتا ہوں تو سمجھتا ہوں وہ اللہ کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ اجر وثواب والا ہے۔

---

[1] البدایہ والنہایۃ (154/11)

[2] البداية والنهاية (18/11 19)

22. خلافت کے لیے کوشش، اور اپنے کو امیر المؤمنین کہلوانا:

وہب بن منبہ رحمہ اللہ خوارج کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (اگر خوارج کامیاب ہو جاتے) تو اس وقت دس یا بیس سے زیادہ آدمی کھڑے ہو جاتے، ان میں سے ہر آدمی اپنے لیے خلافت کی دعوت دیتا، اور ان میں سے ہر آدمی کے ساتھ دس ہزار سے زیادہ جنگجو ہوتے، جو ایک دوسرے سے لڑتے، اور ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے، یہاں تک کہ مومن اپنی جان ومال، دین اور اہل وعیال کے بارے میں خوف زدہ رہتا، اور اسے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہاں جائے، یا کس کے ساتھ رہے[1]۔

اور یہ چیز خوارج کے ان سرداروں اور پیشواؤں کے سلسلے میں بالکل واضح ہے، جن کے بہت سے پیروکار ہیں، شبیب بن یزید خارجی، خلافت کا دعوی کرتا تھا اور اپنے کو امیر المؤمنین کہلواتا تھا، اللہ تعالی نے حجاج کے ذریعہ اس کو مغلوب کر دیا، جب امیر المؤمنین عبد الملک نے ان کے پاس شبیب سے لڑنے کے لیے فوج بھیجی، تو بار بار اس نے راہ فرار اختیار کی، اور جب اس کے گھوڑے نے پل کے اوپر سے اسے دریائے دجلہ میں پھینک دیا تو ایک آدمی نے اس سے کہا، امیر المؤمنین، کیا آپ ڈوب کر مریں گے؟[2]۔

---

[1] مناصحة الإمام وهب بن منبه لرجل تأثر بمذهب الخوارج (ص 21).

[2] البداية والنهاية (276/12).

23. وہ صدقہ وخیرات اور استغفار صرف اپنے ہم عقیدہ لوگوں کے لیے کرتے ہیں :

وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے مذہب خوارج سے متاثر شخص ذوخولان کو جو وصیت کی تھی، اس میں آیا ہے: ذوخولان! مجھے بتاؤ، وہ (خوارج) تم سے کیا کہتے ہیں؟ تو ذوخولان نے وہب سے کہا، وہ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں صرف اسی کو صدقہ وخیرات دوں جو ان کے عقیدہ پر ہے، اور صرف اسی کے لیے مغفرت کی دعاء کروں[1]۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس شخص کو کافر قرار دیتے ہیں، جو ان کے عقیدے اور مذہب پر نہیں ہے، لہذا وہ اس کو صدقہ دینا اور اس کے لیے استغفار کرنا حلال نہیں سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ ان کے نزدیک کافر ہے، یہی تمام خوارج کا مذہب ہے، اور ان میں سے جو اس کے علاوہ کا قائل ہے، تو وہ ایسا صرف تقیہ کے طور پر کرتا ہے۔

یہ چیز ہمارے زمانے میں خوارج سے متاثرہ جماعتوں کے اندر واضح ہے، ان کے حال کو دیکھ کر یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ وہ صدقات وخیرات، زکاۃ لینے والے کی درجہ بندی کرنے کے بعد اور یہ یقین کر لینے کے بعد ہی دیتے ہیں کہ وہ انہی کے طریقے پر ہے، یا ان لوگوں میں سے ہے جن کا میلان ان کے عقیدے اور مذہب کی طرف ہے، اور اسے اپنا ہم عقیدہ بنانے میں وہ پر امید ہیں۔

[1] مناصحة الإمام وهب بن منبه لرجل تأثر بمذهب الخوارج (ص 18).

24. دلیری، تیزی اور بے باکی:

مسلم بن ابی بکرہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا، کیا آپ نے خوارج کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ تو انہوں نے کہا، میں نے اپنے والد ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَلَا إِنَّهُ سَيَخْرُجُ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ أَشِدَّاءُ أَحِدَّاءُ، ذَلِقَةٌ أَلْسِنَتُهُمْ بِالْقُرْآنِ، لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، أَلَا فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمْ فَأَنِيمُوهُمْ، ثُمَّ إِذَا رَأَيْتُمُوهُمْ فَأَنِيمُوهُمْ، فَالْمَأْجُورُ قَاتِلُهُمْ»[1] خبردار، میری امت میں کچھ ایسے لوگ نکلیں گے، جو بہت سخت اور تیز وطرار ہوں گے، ان کی زبان فصیح ہوگی، قرآن بہت اچھا پڑھیں گے، لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، یاد رکھو، جب تم انہیں دیکھو تو قتل کر دو، پھر جب دیکھو تو ان کو قتل کر دو، کیونکہ جو ان کو قتل کرے گا، وہ ماجور ہوگا۔

خوارج کے اندر یہ چیز بالکل ظاہر اور سب کے مشاہدے میں ہے، اور ان کی تاریخ انقلابات، فتنوں اور بڑی بڑی جنگوں سے بھری پڑی ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ ان کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وہ خود مختار فوجی ہیں، ان کے اندر جرأت وبہادری اور صبر وثبات ہے، اور ان کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ اپنے افعال سے اللہ کا قرب حاصل کرنے والے ہیں، وہ ایسی بہادر قوم ہیں، جس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے، اور نہ کوئی ان سے انتقام لینے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ واللہ المستعان[2]۔

یہ خوارج کی اہم صفات ہیں، کبھی ان صفات میں ان کے ساتھ دوسرے لوگ بھی شریک ہوتے ہیں، اس لیے کہ بدعتیں ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتی ہیں، اور کبھی کسی زمانے میں خوارج ایک خاص علامت، یا خاص قسم کے جھنڈے کے ذریعہ دوسروں سے نمایاں رہتے ہیں، جیسے کالے کپڑے پہننا، یا کالے جھنڈے اٹھانا، لیکن یہ ان کی لازمی صفات نہیں ہیں، کیونکہ خوارج ایسے لوگ ہیں جو خواہشات کے پیچھے بھاگتے ہیں، شیطان ان کے ساتھ کھیل کرتا ہے، اور یہ دین میں (گرگٹ کی طرح)

---

[1] اس کو احمد (20446) سے روایت کیا ہے۔

[2] البدایہ والنہایہ (10/ 582)

رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ بلکہ ان کی لازمی صفات ہیں: مسلمانوں کی جماعت سے الگ رہنا، حکام پر طعن وتشنیع کرنا، ان کے خلاف خروج وبغاوت کرنا، اپنے مخالفین کی تکفیر کرنا اور فتنہ وفساد بھڑکانا۔

پچھلے صفحات میں ان کی کچھ صفات گزری ہیں، جن کا تعلق خوارج کے پہلے شخص ذوالثدیہ سے ہے، جس کو علی رضی اللہ عنہ نے جنگ نہروان میں قتل کیا تھا، اور یہ قتل علی رضی اللہ عنہ کے حق پر ہونے کی علامت تھی، اور ان کی ایک پہچان سر منڈوانا بھی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ نشانی اور پہچان ان کے پہلے شخص کی پہچان ہے، جیسے کہ ذوالثدیہ تھا، یہ ان کی لازمی صفت نہیں ہے [1]۔

خوارج کی سب سے سخت صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ جہنم کے کتے ہیں۔

ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: الخوارجُ هُمْ كلابُ النّارِ [2] خوارج جہنم کے کتے ہیں۔

ابو غالب، ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے دمشق کی سیڑھیوں پر (خارجیوں کے) کچھ سروں کو لٹکے ہوئے دیکھا، تو فرمایا، یہ جہنم کے کتے ہیں، جہنم کے کتے ہیں، یہ جملہ انہوں نے تین مرتبہ کہا، اور آسمان کی چھت کے نیچے بدترین مخلوق ہیں، اور بہترین مقتول وہ ہیں جوان (خوارج) کے ہاتھوں قتل ہوئے، اس کے بعد انہوں نے یہ آیت تلاوت کی: {يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ} [آل عمران: 106] جس دن کچھ چہرے سفید اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے۔

راوی (ابو غالب) کہتے ہیں کہ میں نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ تو انہوں نے کہا، اگر میں نے ایک یا دو یا تین یا چار یا پانچ یا چھ یا سات مرتبہ نہ سنا ہوتا تو ہرگز تم لوگوں کے سامنے اسے بیان نہ کرتا [3]۔

---

1 مجموع الفتاوی (28/497)

2 اس کو احمد (19130) نے روایت کیا ہے۔

3 اس کو احمد (22208) نے روایت کیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے[1]، اور جو ان کو قتل کرے گا، اس کے لیے اجر عظیم بیان کیا ہے، اور آپ نے خوارج کو یہ دھمکی دی ہے کہ اگر وہ آپ کو مل گئے تو انہیں قتل کر کے صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے، ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔

علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: «سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ، أَحْدَاثُ الأَسْنَانِ، سُفَهَاءُ الأَحْلاَمِ، يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ البَرِيَّةِ، لاَ يُجَاوِزُ إِيمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ، كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ، فَإِنَّ فِي قَتْلِهِمْ أَجْرًا لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ القِيَامَةِ»[2] آخر زمانے میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے، جو نوجوان، کم عقل اور بے وقوف ہوں گے، باتیں تو وہ سب سے اچھی کریں گے مگر درحقیقت ایمان کا نور ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے کہ تیر شکار کے جانور سے پار نکل جاتا ہے، تم ان کو جہاں کہیں پاؤ بلاتامل قتل کر دو کیونکہ انہیں قتل کرنے میں اس شخص کو قیامت کے دن بہت اجر و ثواب ملے گا جو ان کو قتل کرے گا۔

اور علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر وہ لشکر جو ان کو قتل کرے گا، اس بشارت اور اجر و ثواب کو جان لے، جو ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بیان کیا گیا ہے، تو اسی پر بھروسہ کر کے عمل کرنا چھوڑ دے (کہ ان کے قتل میں اتنا ثواب ہے کہ اب مزید عمل کی ضرورت نہیں)[3]۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ»[4] اگر میں ان کے دور میں ہوا اور وہ مجھے مل گئے تو میں انہیں اس طرح قتل کروں گا جیسے قوم عاد کا (عذاب الہی سے) قتل ہوا تھا کہ ایک بھی باقی نہیں بچا۔

---

1 ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خوارج سے جنگ کرنے کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ سے متواتر احادیث مروی ہیں، کیونکہ یہ اتنے زیادہ طرق سے روایت کی گئی ہیں، جو محدثین کے نزدیک قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں۔ البدایہ والنہایہ (204/9)

2 اس کو بخاری (6930) نے روایت کیا ہے۔

3 اس کو مسلم (156/1066) نے روایت کیا ہے

4 اس کو بخاری (3344) اور مسلم (2415) نے روایت کیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یعنی قتل عام کر کے جڑ سے اکھاڑ دینا، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا(فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ)[الحاقة:8] کیاان میں سے(یعنی قوم عاد میں سے)کوئی بھی تمہیں باقی نظر آرہاہے؟اوراس حدیث(ابوسعید خدری)میں خوارج سے قتال کرنے کی ترغیب دی گئی ہے[1]۔

خوارج سے قتال کرنے کے وجوب پر علماء کااجماع ہے[2]۔

عاصم بن شمیخ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا،اس حال میں کہ ان کے دونوں ہاتھ اس طرح یعنی کبر سنی کی وجہ سے کانپ رہے تھے: خوارج سے قتال کرنا، مجھے (ان کی تعداد کے برابر مشرکین) کے ساتھ قتال کرنے سے زیادہ پسند ہے[3]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن ہُبیرہ نے فرمایا: حدیث میں یہ دلیل ہے کہ خوارج سے قتال کرنا مشرکین سے قتال کرنے سے اولی ہے،اس میں حکمت یہ ہے کہ خوارج سے قتال کرنے میں اسلام کے راس المال کی حفاظت ہے، جبکہ مشرکین سے قتال کرنے میں نفع کی طلب ہے،اور راس المال کی حفاظت اولی ہے[4]۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خوارج کے ساتھ قتال کرنے کا حکم دیاہے، کیونکہ ان کے پاس ایسافاسد دین ہے، جس سے نہ دنیا سنور سکتی ہےاور نہ ہی آخرت[5]۔

میں آخر میں اللہ تعالی سے سوال کرتاہوں کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کن خواہشات اور انحراف کے شکار مذاہب کے شر سے بچائے،اور مسلمانوں کوان کے دین کے سلسلے میں بصیرت عطا کرے،اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی سوجھ بوجھ دے،ان پر نعمتیں تمام کرے، شر وبلااور انتقام سے ان کے ملکوں کی حفاظت فرمائے۔

والحمد لله رب العالمين، وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

---

1 شرح مسلم (162/7).

2 ملاحظہ ہو: شرح مسلم للنووي (175/7).

3 اس کوابن ابی شیبہ (37886) نے روایت کیا ہے

4 فتح الباري (301/12).

5 مجموع الفتاوى (291/28).

فہرست مضامین

وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے اسلام کے ابتدائی زمانہ کو پایا ... اگر اللہ تعالی خوارج کو غلبہ دیتا اور ان کے مذہب کو فروغ ملتا، تو زمین میں فساد برپا ہوجاتا، راستے کاٹ دیے جاتے، اور بیت اللہ کا حج ختم کردیا جاتا، پھر اسلام کا معاملہ جاہلیت کی طرف لوٹ جاتا، اور لوگ پہاڑ کی چوٹیوں سے مدد طلب کرتے، جیسے زمانہ جاہلیت میں لوگ کرتے تھے، اور اس وقت دس یا بیس سے زیادہ آدمی اٹھ کھڑے ہوتے، اور ان میں سے ہر شخص اپنے لیے خلافت کی دعوت دیتا، اور ہر ایک کے ساتھ دس ہزار سے زیادہ لوگ ہوتے، جو ایک دوسرے سے جنگ کرتے، اور ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے، یہاں تک کہ مومن آدمی اپنی جان، اپنے دین، اپنے خون، اپنے اہل وعیال، اور مال کے سلسلے میں خوف زدہ رہتا، اسے پتہ نہیں چلتا کہ کہاں جائے، اور کس کے ساتھ رہے۔

سیر أعلام النبلاء (4/554)

SUBAI JAMIAT AHLEHADEES, MUMBAI

14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S Marg, Kurla (W), Mumbai – 70.

022-26520077 022-26520066 ahlehadeesmumbai@gmail.com

@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai

www.ahlehadeesmumbai.org